إن من الشعر حكمة (بخاری)

رسالہ

انعام الباری

فی شرح

اشعار البخاری

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷ - بہادر آباد - کراچی

إن من الشعر حكمة

رسالہ

انعام الباری

فی شرح

اشعار البخاری

جس میں

حسب الحکم حضرت اقدس بقیۃ السلف حجۃ الخلف برکۃ العصر

شیخ الحدیث مولانا الحاج الشاہ محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے

صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کا ترجمہ اور مفصل شرح لکھی ہے؛

ناشر

مکتبۃ الشیخ ۳/۳۶۷۔ بہادر آباد۔ کراچی

فہرست مضامین

انعام الباری

تمہید

از حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف شیخ الحدیث
مولانا الحاج الشاہ محمد زکریا صاحب کاندھلوی
ثم مہاجر مدنی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، حامداً ومصلیاً ومسلماً

امسال ذیقعدہ ۱۳۹۷ھ میں جب یہ سیہ کار نابکار ہندوستان سے کراچی ہوتے ہوئے مدینۂ پاک آرہا تھا، اور عزیز گرامی قدر و منزلت مولانا الحاج انعام الحسن صاحب بھی میرے ساتھ تھے، تو جدّہ میں ۱۸ ر ذیقعدہ حجازی مطابق ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۷۷ شمسی کی صبح کو جدّہ میں مولانا موصوف نے فرمایا کہ پرسوں میں نے ایک خواب دیکھا کہ تو (زکریا) سہارنپور میں اپنے کچے گھر میں ہے اور میں (انعام الحسن) تیرے پاس سہارنپور آیا تو تُو نے یوں کہا کہ بخاری شریف کے جملہ اشعار کو ایک جگہ جمع کرو، میں (انعام الحسن) نے اپنی بیماری اور معذوری کا عذر کیا (فقط)

جدّہ میں یہ خواب سنکر واقعی جذبہ پیدا ہوا کہ چیز تو بڑی اچھی ہے، مگر یہ ناکارہ مولانا انعام الحسن سے بھی زیادہ معذور ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے گذشتہ سال سے عزیز محترم مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کو جو دار العلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ کے مدرسہ میں مدرس حدیث اور مفتی تھے، میری علمی مدد کے لئے مدینہ منورہ بھیجدیا، اللہ جل شانہ کے تو لاتعد ولا تحصی احسانات اس

اس ناکارہ پر ہمیشہ سے ہیں، گذشتہ سال سے مولانا موصوف میری علمی خواہشات کو پورا کر رہے ہیں، اس لئے میں نے جدہ ہی میں ارادہ کر لیا تھا کہ مدینہ منورہ پہنچتے ہی مولانا موصوف سے اس کی بسم اللہ کراؤں گا، مگر مدینہ پاک پہونچ کر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، اس لئے آج ۔۔ ۲۸ ذیقعدہ ۹۷ھ مطابق ۹ نومبر ۷۷ء مسجد نبوی علی صاحبہ الف الف تحیہ میں بسم اللہ لکھوا کر مولانا موصوف کے حوالہ کرتا ہوں، کہ اپنی بھی زندگی کا اعتبار نہیں، کم از کم میرے سامنے اس کا سلسلہ شروع ہوجائے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری حیات میں اس کی تکمیل بھی ہوجائے تو مالک کے احسانات سے بعید بھی نہیں،

اللہ جل شانہ اپنے محض فضل و کرم سے اس کو قبول بھی فرمائے اور مولانا محمد عاشق الٰہی کو دارین میں جزائے خیر بھی عطا فرمائے کہ میں تو بالکل بیکار ہوگیا ہوں، اور میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں مستقل قیام بھی نہیں کرسکتا، لیکن مالک نے میری خواہشات اور جذبات پورا کرنے کے لئے مولانا موصوف کو یہاں بھیجا،

یہاں تک لکھوانے کے بعد یہ تمہید مولانا کے حوالے کر دی گئی، مولانا نے دوسرے مشاغل روک کر پہلے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اوّل تو بخاری شریف کی صفحہ بہ صفحہ مکمل ورق گردانی کی، اور بخاری شریف میں وارد شدہ اشعار کی فہرست بنائی، اس کے بعد اشعار کا ترجمہ اور شرح لکھی، اور شروح حدیث دیکھ کر اشعار کا شانِ ورود تحریر کیا، اور یہ بھی لکھا کہ فلاں شعر کس کا ہے، اور کس نے پڑھا اور کیوں پڑھا،

بخاری شریف میں وارد شدہ اشعار کے علاوہ جگہ جگہ دیگر اشعار کا مع ترجمہ تشریح اضافہ کیا، جن کا ذکر کرنا صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کے حل کرنے کے لئے ضروری تھا، جن کتابوں سے مولانا نے استفادہ کیا ہے اُن کا ذکر مولانا نے اپنے دیباچہ میں کر دیا ہے، افسوس ہے کہ یہاں شروحِ حدیث کا ذخیرہ کم مل سکا، اگر مزید کتب مل جاتیں تو کتاب میں مزید معلومات جمع ہوجاتیں،

میں نے پوری کتاب کا مسودہ سُنا اور اپنے ساتھ عزیزم مولوی ملک عبدالحفیظ مکی

اور مولوی حبیب اللہ رفارغ مظاہر علوم سہارنپور) سلمہا اللہ کو بھی شریک کیا، ہم تینوں نے جس جس جگہ ترجمہ یا تشریح میں کوئی اصلاحی مشورہ دیا تو مولانا موصوف نے تقریباً ہر جگہ اس کو قبول فرمایا، چونکہ ترجمہ مطلب خیز لکھنا مناسب سمجھا گیا، اس لئے بہت سی جگہ لفظی ترجمہ کی رعایت نہیں رہی،

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ اس تالیف کو قبول فرمائے، اور اپنی مخلوق میں اسے مقبولیتِ عامہ نصیب فرمائے، جناب مولانا انعام الحسن صاحب رئیس المبلغین مقیم بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی (جن کا خواب اس رسالہ کی تالیف کا سبب بنا) کو صحت وعافیت نصیب فرمائے، اور ان کے درجات بلند فرمائے اور اس کے مؤلف کو اپنے شایانِ شان جزا عطا فرمائے،

زکریا

مدینہ منورہ

۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

مؤلّف کی گذارش

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الصَّادِقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ہ

امابعد! حسبِ حکم سیدی و مرشدی زبدۃ السلف وحجۃ الخلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مہاجر مدنی دامت برکاتہم کے ارشاد سے احقر نے صحیح بخاری کے اشعار مع ترجمہ و ضروری تشریحات جمع کئے ہیں، اور حضرت والا کی تجویز کے مطابق "انعام الباری فی شرح اشعار البخاری" سے اس کو موسوم کیا ہے،

صحیح بخاری میں چونکہ بہت سے اشعار مکرر وارد ہوئے ہیں اس لئے رسالہ کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ جو شعر صحیح بخاری کی ترتیب کے مطابق پہلی جگہ آیا ہے اس کو علی ترتیب الاشعار اسی جگہ رکھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ آئندہ جس جس جگہ وہ شعر آیا ہے اُن مواقع کا حوالہ بھی دیدیا گیا ہے، البتہ صرف دو تین جگہ مضمون کی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اشعار کی تقدیم کردی گئی ہے

رسالہ لکھتے وقت متونِ حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ جمع الفوائد، مشکوٰۃ المصابیح مستدرک حاکم بھی سامنے رہیں، اور اشعار کی تشریح اور دیگر مضامین کے لئے فتح الباری عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور اوجز المسالک اور بذل المجہود سے استفادہ کیا، اور صرف شعر کی تشریح کو مقصد نہیں بنایا بلکہ اشعار مذکورہ سے متعلق جو واقعات اور روایات حدیث اور شروحِ حدیث میں ملیں اُن کو بھی تفصیل کے ساتھ درج کردیا گیا،

اشعار کے حوالوں میں صحیح بخاری کے جو صفحات دیئے گئے ہند وپاک کے مطبوعہ نسخوں کے مطابق ہیں ساتھ ہی ان مواقع کے ابواب کا بھی حوالہ دیدیا ہے، تاکہ کوئی صاحب مصری نسخہ میں نکالنا چاہیں تو نکال لیں،

مسجدِ قبا اور مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کا واقعہ، غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر اور قتلِ بنی قریظہ اور اخراج بنی نضیر اور یہود کی بار بار عہد شکنی، اور اسلام اور داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُن کی ریشہ دوانی کی تفصیلات واضح کر کے لکھ دی گئی ہیں،

عامۃ المسلمین کو دینی زندگی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے جگہ جگہ ایسے مضامین کا اضافہ کر دیا گیا جن سے ایمان وعمل میں پختگی ہوتی ہے،

یہ مجموعہ اشعارِ بخاری کی شرح ہی نہیں ہے، بلکہ چند غزوات کی تفصیلات .... اور عبرت آموز واقعات اور رفعِ شکوک وشبہات اور بہت سی اہم معلومات کا مجموعہ بھی ہے

بخاری شریف میں جو اشعار آئے ہیں اُن میں بعض اشعار کی عبارتیں کچھ مختلف بھی ہیں، جن کو ہوامش بخاری میں نسخہ کا نشان دے کر لکھا گیا ہے، احقر نے کوشش کی ہے کہ ان مختلف عبارات کی بھی تشریح ہو جائے، اور جس جگہ مشکل لغات تھے وہاں فتح الباری اور ارشاد الساری سے اخذ کر کے حواشی میں لغات کی تشریح کر دی ہے، جو عربی میں ہے، جو اشعار صحیح بخاری میں وارد ہوئے ہیں، اُن کی تشریح کے لئے جس جگہ ضرورت محسوس ہوئی اُن کے سلسلہ کے دوسرے اشعار بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اُن دیگر اشعار کو کہیں صحیح مسلم سے کہیں ارشاد الساری سے، کہیں فتح الباری سے اور کہیں دیوانِ حسانؓ سے نقل کر دیا ہے، اور اس طرح سے یہ مجموعہ تقریباً نوّے اشعار کا ترجمہ اور شرح بن گیا ہے،

جو اشعار صحیح بخاری میں وارد ہوئے اُن میں کہیں کہیں بعض شراح نے یہ کلام کیا ہے کہ یہ شعر نہیں ہے، وزنِ عروض کے خلاف ہے، یا اس کے کسی رکن میں وزن کی کمی بڑھی ہے، اس قسم کے امور کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، کیونکہ یہ بحثیں علمِ عروض سے متعلق ہیں، ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں، اور نہ اُن کے ذکر سے چنداں فائدہ تھا،

اللہ جلّ شانہٗ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے صحیح بخاری کی ایک خدمت مدینہ منورہ میں

اس ناچیز سے لے لی، اللہ جل شانہٗ اسے قبول فرمائے، اور احقر کو اور احقر کے والدین اور تمام اساتذہ و مشائخ کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازے، اور حضرت الشیخ دامت برکاتہم کا سایہ متعلقین و منتسبین پر تادیر قائم رکھے جن کے حکم سے یہ مجموعہ مرتب ہوا،

انہ رب جواد کریم
وھو ذوالفضل العظیم

محمد عاشق الٰہی بلند شہری عفا اللہ عنہ
المدینۃ المنورۃ
۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

آغازِ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَللّٰھُمَّ لَاخَیْرَ اِلَّاخَیْرُ الْاٰخِرَۃِ ① فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

ترجمہ: "اے اللہ کوئی خیر نہیں ہے آخرت کی خیر کے علاوہ، پس تو انصار کو اور مہاجرین کو بخش دے"۔ (بخاری، ص ۶۱ ج ۱ باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد)

شرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں ۵۳ سالہ زندگی گزاری، ۴۰ سال نبوت سے پہلے اور ۱۳ سال نبوت کے بعد، نبوت سے سرفراز ہونے کے چند سال بعد شبِ معراج میں پنجگانہ نماز فرض کی گئی، چونکہ مکہ معظمہ میں مشرکین کا زور تھا، اس لئے وہاں کوئی مسجد نہ بنائی جا سکی، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر شریف کے ۵۳ سال گزار کر مدینۂ منورہ کو ہجرت فرمائی تو اوّل چند[1] روز قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا، یہ قبیلہ قبا میں رہتا تھا، جو مسجد نبوی سے تین میل دور ہے، (اور اب تو آبادی تقریباً مسلسل ہو گئی ہے) یہیں کے زمانۂ قیام میں مسجدِ قبا تعمیر فرمائی، یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے، سب سے پہلی نماز باجماعت علی الاعلان اسی مسجد میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھائی، قرآن مجید میں اس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

---

[1] روایات میں اختلاف ہے کہ کتنے دن قبا میں قیام رہا، بعض روایات میں ۱۴ دن اور بعض میں ۲۴ دن آیا ہے، شرح عینی میں ۱۸ دن کا بھی ایک قول نقل کیا ہے، واللہ اعلم ۱۲

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (توبہ: ۱۰۸)

ترجمہ: ”البتہ جس مسجد کی بنیاد اوّل دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس لائق ہے کہ آپؐ اُس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

قبا میں قیام فرمانے کے بعد آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ شہر میں تشریف لائے اور آپؐ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں بعد میں مسجدِ نبوی بنائی گئی،

انصارِ مدینہ پہلے سے مسلمان ہوچکے تھے، اور بہت سے حضرات مکہ معظمہ سے بھی ہجرت کرکے آچکے تھے، اُن میں سے چند حضرات مذکورہ اس جگہ میں نماز ادا کرلیا کرتے تھے، اس جگہ کھجوروں کا کھلیان بھی تھا، اور مشرکین کی قبریں بھی تھیں، اور یہ جگہ سہیل اور سہل نامی دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی، جو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت میں تھے! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لڑکوں کو بلایا، اور فرمایا کہ یہ زمین ہمارے ہاتھ فروخت کردو، اور مقصد آپؐ کا یہ تھا کہ اس جگہ مسجد بنائیں، اُن لڑکوں نے عرض کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ ہی سے لیں گے، آپؐ کی خدمت میں بطور ہبہ بلا قیمت پیش کرتے ہیں، آپؐ نے مفت میں قبول کرنے سے انکار فرمادیا، اور قیمت[1] دے کر اس زمین میں مسجد تعمیر فرمائی، مسجد بنانے میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ شریک تھے، اور آپؐ کچی اینٹیں خود اٹھا اٹھا کر لیجا رہے تھے، اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے جو اوپر لکھا گیا ہے، حضرات صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے،

---

[1] شارح عینی نے بحوالہ طبقات ابن سعد واقدی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس دینار میں یہ جگہ خرید فرمائی تھی، اور یہ دینار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیئے تھے، ۱۲

صحیح بخاری میں مسجد بنانے کا واقعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بیان میں بھی ذکر فرمایا ہے، اور وہاں ایک شعر کا اضافہ ہے اور شعر مذکور کو قدرے الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، وہاں یوں ہے:۔

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ ② هٰذَا أَبَرُّ رَبَّنَا وَأَطْهَرْ

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْأَجْرَ أَجْرُ الْآخِرَةْ ③ فَارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ [له]

ترجمہ شعر ۲:۔ "یہ بوجھ اُٹھانا (آخرت کے لئے ہے) یہ خیبر کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، اے ہمارے رب یہ بوجھ اُٹھانا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور بہت پاکیزہ عمل ہے"

(صحیح بخاری، ص ۵۵۵ ج ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ)

ترجمہ شعر ۳:۔ "اے اللہ بلاشبہ اجر بس آخرت ہی کا اجر ہے، پس اللہ رحم فرمائے انصار پر اور مہاجرین پر"

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت بنی نوعِ انسان کی آخرت کی کامیابی کے لئے تھی، جس نے آپ کو نبی مانا اور آپ کے فرمان پر چلا آخرت میں کامیاب ہوا، جس نے آپ کی ہدایت سے رُوگردانی کی آخرت میں ناکام اور برباد اور تباہ ہوا۔ دنیا حقیر چیز ہے، جس کی حیثیت اللہ جل شانہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، یہ مومن و کافر سب کو مِل جاتی ہے، لیکن آخرت کی نعمتیں صرف مؤمن بندوں کو ملیں گی، اور جس نے جس قدر نیک اعمال کئے ہوں گے اسی قدر بلند درجات سے اور وہاں کی بیش بہا نعمتوں سے متمتع ہوگا،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کی کامیابی اور وہاں کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے، اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کرنے کی تلقین فرماتے تھے، اور دینی کوشش اور محنت میں لگنے والے حضرات کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے، اگر دینی کاموں میں لگنے سے بظاہر دنیا کا نقصان محسوس ہونے کا اندیشہ ہوا، یا دیکھا کہ حضرات صحابہ رضی

له شارح قسطلانیؒ نے (ص ۲۲۱ ج ۶) میں لکھا ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں، ۱۲

پر محنت کا بوجھ پڑ رہا ہے جس سے تھکن اور درماندگی ہو رہی ہے، یا فقر و فاقہ کی کیفیت ہے تو آپؐ فوراً آخرت کے اجور و ثمرات کی طرف متوجہ فرماتے تھے، اور خدا کی رضا اور خوشنودی اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کے حاصل ہونے کا یقین دلاتے تھے، جس سے دینی محبت کے لئے قلوب میں مزید جوش پیدا ہو جاتا تھا، اور حضرات صحابہؓ خوب ولولہ کے ساتھ کام کرتے تھے، آپؐ جس وقت مسجد نبوی تعمیر فرما رہے تھے اس وقت حضرات صحابہؓ کے مالی حالات کمزور تھے، حضرات مہاجرینؓ اپنے گھر بار اور مال و جائداد چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے تھے اور حضرات انصارؓ بھی دولتمند نہ تھے، پھر انھوں نے حضرات مہاجرینؓ کو بسایا اور اپنے اموال میں شریک کر لیا تھا، ایسے موقعہ پر مسجد تعمیر ہو رہی تھی، جسے سب مل کر بنا رہے تھے، کچی اینٹیں بنانا اور پھر اُن کو اٹھانا اور تعمیر کی جگہ تک لے جانا اور چننا سب کام خود ہی کر رہے تھے، نوکر چاکر یا باندی غلام موجود نہ تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ شریکِ عمل تھے، اور اس موقعہ پر آخرت کے اجر و ثواب کی امید بندھانے کے لئے اور تھوڑا بہت جو دنیا کا نقصان نظر آتا تھا اس کی جانب سے بے فکر کرنے کے لئے مندرجہ بالا اشعار اونچی آواز سے پڑھتے جاتے تھے،

اُس زمانہ میں خیبرؔ کی سرسبزی اور شادابی مشہور تھی، وہاں کی کھیتی باڑی اور کھجوروں کی بہتات کا بڑا چرچا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ شعر میں دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی ہے، اور فرمایا کہ ہم جو مسجد کی تعمیر کے لئے محنت کر رہے ہیں اور گارا مٹی اور اینٹیں ڈھو رہے ہیں یہ ڈھونا اور اٹھانا بہت مبارک ہے، اور بہت بڑی سعادت اور نیکی ہے، اور بہت ہی پاکیزہ عمل ہے، جس کا ثواب آخرت میں ملے گا، جو بے انتہا ہوگا، یہ بوجھ اٹھانا خیبر کی کھیتی اور کھجوروں اور انگوروں کی درآمد کی طرح نہیں ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں، اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت حقیر ہیں، اور ہماری یہ مسجد بنانے کی محنت آخرت کی نعمتوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، اسی پر رشک کرنا چاہیے، دنیاوی نعمتیں رشک کرنے کے قابل نہیں ہیں،

ساتھ ہی اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں یہ بھی عرض کرتے رہے کہ یا اللہ ہم مانتے اور

سمجھتے ہیں کہ اجر کہنے کے قابل آخرت ہی کا اجر ہے، لہٰذا اس بات کا یقین رکھنے والوں یعنی انصار و مہاجرین پر رحم فرما،

جس جگہ مسجد بنائی گئی، یہاں کچھ جگہ ویران پڑی تھی اور کچھ جگہ کھجوروں کے درخت تھے، کچھ مشرکین کی قبریں تھیں (فتح الباری میں بعض روایات سے نقل کیا ہے کچھ کھیتی بھی تھی) کھجوروں کو کاٹ کر اور قبروں کو اکھاڑ کر ساری زمین ہموار کر دی گئی، اور کھجور کے درختوں کو قبلہ کی جانب برابر برابر کھڑا کر دیا گیا، اور دروازہ کی چوکھٹ پتھروں سے بنا دی گئی،

(صحیح بخاری باب ہل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجوروں کی ٹہنیوں کی اور ستون کھجوروں کی لکڑیوں کے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے کوئی اضافہ نہیں کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ کیا، مگر اسی طرز پر تعمیر کی جو عہدِ نبوتؐ کی تعمیر تھی، یعنی کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی، اور اس کے ستون جو گھن گئے تھے اُن کی جگہ لکڑیوں کے ستون لگا دیئے، پھر حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مسجد میں بہت سا اضافہ کیا اور اس کی دیواریں نقشین پتھر اور چونہ سے بنا دیں اور اس کے ستون بھی نقشین پتھر کے بنا دیئے اور چھت سال کی لکڑی کی بنادی (صحیح بخاری باب بنیان المسجد)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبا میں چند روز قیام فرمایا اور وہاں مسجد تعمیر فرما دی، پھر جب مدینہ شہر میں تشریف لائے تو مسجد کی تعمیر کا اہتمام فرمایا اور جلد سے جلد مسجد بنادی، اس سے معلوم ہوا کہ شریعتِ اسلامیہ میں مسجد کی بہت زیادہ اہمیت ہے، مسجد اہلِ ایمان کے لئے ایک مرکزی جگہ ہے، اس میں پنجوقتہ نمازوں کے لئے مسلمان جمع ہوتے ہیں، ادائیگی نماز کے علاوہ ایک دوسرے کی خیر خبر بھی معلوم ہوجاتی ہے، جس بستی میں مسجد ہوتی ہے پردیسی اُسے دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ اس بستی میں مسلمان رہتے ہیں، اور مسجد کی وجہ سے اُن میں دینی پختگی ہوتی ہے، جس جگہ مسجد ہوتی ہے

وہاں کے مسلمانوں میں استقامت کے ساتھ جم کر رہنے کے جذبات ہوتے ہیں، مسجد کو چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کرتے، اہلِ کفر آڑے آتے ہیں تو اُن کو شکست دینے کے لئے اپنی کوششیں ختم کر دیتے ہیں،

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچی مسجد بنائی تھی، پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کچی ہی رہنے دی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ تو کیا مگر پکی مسجد انھوں نے بھی نہیں بنائی، حالانکہ اُن کے زمانۂ خلافت میں دولت کی کچھ کمی نہ تھی، شام اور فارس وغیرہ فتح ہو چکے تھے، غنیمت کے اموال آتے تھے، جن کے انبار لگ جاتے تھے، اس کے باوجود کچی مسجد پر ہی اکتفا کیا، اصل بات یہ ہے کہ مسجد کا جو مقصود ہے، یعنی نماز باجماعت ادا کرنا اور تلاوت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، دینی تعلیم دینا، وعظ و نصیحت کرنا اور دیگر اُمورِ دینیہ انجام دینا (جو مسجد کی حیثیت کے مناسب اور مطابق ہوں) اس مقصد کے پورا کرنے کی طرف پوری توجہ تھی،

مسجد کچی ہو یا پکی امور متعلقہ مسجد بہرحال اس میں انجام پذیر ہو سکتے ہیں، مسجدِ نبویؐ کچی تھی، لیکن پورے عالمِ اسلام کا مرکز بنی ہوئی تھی، مسجد میں مسلمان جمع ہوتے تھے مشورے کرتے تھے، جہاد کے لئے لشکر روانہ ہوتے تھے، ملک کے ملک اس کچی مسجد کی مرکزیت کے سایہ میں فتح ہوتے تھے، کچی مسجد میں سادگی بھی ہے، نمازی کا دل بھی لگتا ہے، بنانے والوں کو غرور اور فخر کا موقع بھی نہیں ملتا، ہاں اگر پکی مسجد بنا دی جائے تو یہ بھی جائز ہے، جس کا ثبوت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے ہوتا ہے، البتہ مسجد کو ٹیپ ٹاپ سے مزیّن کرنا اور ریاء، نمود اور فخر و مباہات کے لئے پختہ مسجد بنانا درست نہیں ہے،

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں ابن بطّال سے نقل کیا ہے کہ (حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے) توسیعِ مسجد کے واقعات سے معلوم ہوا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ تعمیرِ مسجد میں میانہ روی سے کام لیا جائے اور اس کی تحسین میں

غلو نہ کیا جائے، حضرت عمرؓ نے کثرتِ فتوحات کے باوجود اپنے زمانہ میں مسجد کی عمارت اسی سابق طرز پر رہنے دی، البتہ اس کے ستون بدل دیئے، جن کو گھن لگ گیا تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوش نما طریقہ پر مسجد بنادی، لیکن ٹیپ ٹاپ کی حد تک انھوں نے بھی نہیں پہنچائی، پھر بھی بعض صحابہؓ نے اُن پر اعتراض کیا تھا، پھر ابن المنیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جب لوگوں نے اپنے گھروں کو مضبوط طریقہ پر بنایا، اور زیب و زینت سے آراستہ کیا تو مساجد کو بھی اسی طرح بنانا مناسب ہوا، تاکہ دلوں میں مسجد کی تحقیر نہ آئے،

اس کے بعد حافظ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اگر مسجد کو زیب و زینت سے محفوظ رکھنے کی وجہ یہ مانی جائے کہ نمازی کا دل نقش و نگار میں نہ بٹے تو ابن المنیر کی بتائی ہوئی علت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی" اھ

اور علامہ عینی حنفیؒ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ "ہمارا مذہب یہ ہے کہ مسجد کو منقش اور مزین کرنا مکروہ ہے" اور بعض حنفیہ نے جو یہ لکھا ہے کہ لَا بَأْسَ بِنَقْشِ الْمَسْجِدِ، اس کا مطلب یہ ہے کہ تحسین و تزیین کا ترک کرنا اولیٰ ہے، اور مالِ وقف سے ہو تو درست ہی نہیں ہے، جو شخص مالِ وقف سے اس مد میں خرچ کرے گا اس پر تاوان آئے گا، اگر مالِ وقف سے نہ ہو تب بھی اس کی کراہت اس لئے ہے کہ اس سے نمازی کا دل بٹتا ہے اور مال بے جا خرچ ہوتا ہے، (ص ۲۰۶ و ۲۰۷ ج ۴، عینی طبع منیریہ)

خُلاصہ یہ ہے کہ مسجد پختہ بنانا اور صاف ستھرا رکھنا اور چیز ہے، اور نقش و نگار سے مزین کرنا دوسری بات ہے، اگر کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے مسجد کو مزین کرے، (بشرطیکہ مال حلال ہو) تو مسجد کی چھت اور نمازیوں کے پیچھے والی دیوار کو مزین کرسکتا ہے اور دائیں بائیں کی پوری دیواروں کو نقش و نگار سے محفوظ رکھے، کیونکہ اس سے نمازیوں کا دل بٹتا ہے، اور خشوع میں خلل ہوتا ہے،

قَالَ الشَّامِیُّ فِیْ رَدِّ الْمُحْتَارِ وَلِذَا قَالَ فِی الْفَتَاوَی الْهِنْدِيَّةِ وَكَرِهَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا النَّقْشَ عَلَى الْمِحْرَابِ وَحَائِطِ الْقِبْلَةِ لِاَنَّهُ يَشْغَلُ قَلْبَ

المُصَلّی اھ ومثلہ یُقَالُ فِی حَائِطِ الْمَیْمَنَۃِ وَالْمَیْسَرَۃِ لِاَنَّہٗ یلھی الْقَرِیْبُ مِنْہُ
انتھی (ص۴۴۲ ج ۱، قبل باب الوتر والنوافل بنحو ثلث صفحات)

آجکل مساجد کی ظاہری آرائش وزیبائش کی طرف لوگوں کو بہت توجہ ہے، اور مساجد کو دنیاوی باتوں، فضول بحثوں، سیاسی جھگڑوں کا مرکز بنا رکھا ہے، مسجد کی اصل تعمیر جو ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن اور تعلیم وتعلّم اور خشوع والی نماز سے ہوتی ہے، اس سے لوگ یکسر غافل ہیں، واللہ الہادی الی سبیل الرّشاد،

وَيَوْمُ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا ﴿۴﴾ أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي

(بخاری شریف، ص۶۳ ج ۱، و ص۵۴۱ ج ۱)

ترجمہ:- "اور ہار والا دن ہمارے رب کی (پیدا کردہ) عجائبات میں سے ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ اللہ نے مجھے کفر کے شہر سے نجات دی"

شرح یہ شعر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب نوم المرءۃ فی المسجد میں اور باب ایام الجاہلیۃ میں ذکر کیا ہے، اور اس کا قصہ حضرت عائشہ رضؓ نے یوں نقل فرمایا ہے کہ عرب کے بعض قبائل کی ایک سیاہ فام لونڈی تھی، اس کو انھوں نے آزاد کر دیا، (لیکن آزادی کے بعد بھی) اُن کے ساتھ ہی رہی، ایک دن ایسا ہوا کہ ان لوگوں کی ایک نو عمر لڑکی نکلی، جس پر چمڑے کے تسموں کا سُرخ ہار تھا، (جس میں موتی پروئے ہوئے تھے)

لہ مصراع دوم کے شروع میں جو "الا انہ" ہے اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ بتخفیف اللام وکسر الہمزۃ اور (عمدۃ القاری میں یہ ہے کہ بتخفیف اللام للضرورۃ اور ارشاد الساری میں صرف بتخفیف اللام لکھا ہے، ان حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ اِلّا یہاں حرفِ استثناء ہے، مگر ضرورتِ شعری کی وجہ سے لام کو مخفف کر دیا ہے تاکہ فعولن کے وزن پر ہو جائے۔ ہم نے حرفِ استثناء کا ترجمہ کر دیا ہے، محشی بخاری حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اِلا کے نیچے بین السطور لفظ للتنبیہ تحریر فرمایا ہے، یعنی حضرت موصوف نے اس کو اَلا حرفِ تنبیہ قرار دیا ہے اور اس طرح سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ مشدد کو ضرورتِ شعری کی وجہ سے مخفف کیا گیا، واللہ اعلم،

اُس لڑکی نے وہ ہار کسی جگہ رکھ دیا، یا (بے خبری میں) اس سے کہیں گر گیا[۱]، وہاں سے ایک چیل گذری، جس نے (سُرخ سُرخ دیکھ کر) اس کو گوشت سمجھ کر اُچک لیا، لوگوں نے تلاش کیا، مگر نہیں ملا، لہٰذا وہ مذکورہ باندی پر (ہار کی چوری کی) تہمت لگانے لگے، اس سلسلہ میں انھوں نے اسے تکلیف دی، اور اس کی تلاشی لی، (اور تلاشی لینے میں بھی حد کردی) یہاں تک کہ اس کی شرم کی جگہ بھی دیکھا، اس باندی کا بیان ہے کہ میں[۲] نے اللہ سے دعاء کی (کہ مجھے اس تہمت سے بَری کردے) میں اسی حال میں پریشان وحیران کھڑی تھی کہ اچانک وہ چیل (اوپر سے) گذری، اور اس نے وہ ہار ڈال دیا جو اُن لوگوں کے درمیان گر پڑا، جسے انھوں نے اٹھالیا، جیسے ہی وہ ہار گرا میں جھٹ پٹ بولی کہ لو یہ ہی وہ جس کی تم مجھے تہمت لگا رہے ہو، حالانکہ میں اس سے بَری ہوں، (اس واقعہ کو یاد کرکے وہ باندی مذکورہ بالا شعر پڑھا کرتی تھی)۔

حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اس قصہ کے بعد وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آگئی، اور مسلمان ہوگئی، اس کے لئے مسجد میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنادی گئی تھی، وہ اسی میں رہتی تھی، میرے پاس اکثر آیا کرتی تھی، اور باتیں کرتی رہتی تھی، اور جب کبھی آکر بیٹھتی تو یہ ہار والا شعر ضرور پڑھتی تھی، میں نے اس سے ایک دن کہا کہ کیا قصہ ہے؟ جب کبھی تو میرے پاس آکر بیٹھتی ہے یہ شعر ضرور پڑھتی ہے، اس پر اس نے سارا قصہ سنایا[۳]۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ "ہار والے دن مجھے پریشانی تو بہت ہوئی، مگر میں اس کے سبب دل برداشتہ ہوکر وہاں کا ماحول چھوڑ کر مدینہ منورہ آئی اور اسلام قبول کرنے کی توفیق ہوئی، جس سے بڑھکر کوئی سعادت نہیں"

---

[۱] بعض روایات میں ہے کہ یہ لڑکی نئی دلہن تھی، غسل خانہ میں جاتے وقت ہار کو کہیں رکھ گئی تھی ۱۲ فتح الباری

[۲] دعاء کرنے کا ذکر فتح الباری میں کیا ہے ۱۲

[۳] صحیح بخاری ۱۲

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

اول یہ کہ جس کسی مسلمان کا گھر در نہ ہو مسجد میں اس کا رات کو یا دن کو سونا جائز ہے، مرد ہو یا عورت ہو، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ضرورت کے لئے سایہ کے لئے خیمہ وغیرہ بھی لگایا جاسکتا ہے، **دوم** یہ معلوم ہوا کہ کسی جگہ اگر رہنے میں دشواری اور پریشانی ہو تو اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے، ممکن ہے کہ دوسری جگہ اس کے لئے بہتر ہو، جیسا کہ اس عورت کا واقعہ ہے کہ وطن چھوڑ کر مدینہ آئی تو اسلام سے مشرف ہونا نصیب ہوگیا، اور صحابی ہونے کی دولت سے مالا مال ہوگئی، **سوم** ہجرت کی فضیلت معلوم ہوئی، **چہارم** یہ معلوم ہوا کہ مظلوم کی دعاء قبول ہوتی ہے، اگرچہ کافر ہی ہو، کیونکہ اس عورت نے جو دعاء کی تھی کہ یا اللہ مجھے ہار کی تہمت سے بری فرمادے اس وقت مسلمان نہ تھی، لِاَنَّ فِي السِّيَاقِ اَنَّ اِسْلَامَهَا كَانَ بَعْدَ قُدُوْمِهَا الْمَدِيْنَةَ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

⑤ وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۞ ثِمَالَ الْيَتٰمٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ: ”اور سفید (چمکدار) چہرہ والے کو جس کے چہرہ کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کا ٹھکانا ہے، اور جس سے بیوہ عورتوں کی حفاظت وابستہ ہے“ (صحیح بخاری، ص ۱۳۷ ج ۱، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء)

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں آپ کے چچا ابو طالب نے ایک قصیدہ کہا تھا، جس کے شعروں کی تعداد اسّی سے زائد تھی، شارح عینی اور شارح قسطلانی نے اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو بیس ۱۲۰ بتائی ہے، سیرت کی کتابوں میں پورا قصیدہ ملتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں سیرت ابن اسحٰق سے بارہ ۱۲ اشعار نقل کئے ہیں، مذکورہ بالا شعر سے پہلے کا ایک شعر اور بعد کا ایک شعر ملا کر تینوں کو ایک جگہ لکھا ہے، اور تینوں کا مجموعہ اس طرح سے ہے ؎

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا اَبَالَكَ سَيِّدًا ۞ يَحُوْطُ الذِّمَارَ بَيْنَ بَكْرِبْنِ وَائِلِ

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ۞ ثِمَالَ الْيَتٰمٰى عِصْمَةً لِّلْاَرَامِلِ

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ ۞ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

اَبْیَضُ، ضؔ کے زبر کے ساتھ۔ ہے اور منصوب ہی جو سَیِّدًا پر عطف ہے، سَیِّدًا اس سے پہلے شعر میں ہے، جو تَرْک مصدر کا مفعول ہی، نیز ثِمَال اور عِصْمَۃً بھی اسی وجہ سے منصوب ہیں، علامہ قسطلانیؒ نے یہ بھی احتمال ظاہر کیا ہے کہ اَبْیَضُ مرفوع ہو اور مبتداء محذوف کی خبر ہو، "یعنی وہ شخص سفید چہرے والے ہیں، جن کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے"، اس صورت میں سَیِّدًا پر معطوف ماننے کی ضرورت نہ رہے گی،

تینوں شعروں کا ترجمہ جاننے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی دعوت دی اور اپنے بارے میں یہ بتایا کہ میں اللہ کا نبی ہوں تو اہلِ مکہ جو آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کے بہت زیادہ قائل تھے، اور آپؐ کے بلند اخلاق کے مدّاح تھے توحید و رسالت والی بات سُن کر دشمن ہو گئے، اور جیسے جیسے آپؐ کی تعلیم و تبلیغ کی محنت بڑھتی گئی اور ارشاد و اصلاح کی دعوت پھیلتی گئی، اسی قدر مشرکینِ مکہ اور زیادہ دشمن ہوتے چلے گئے، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت اور پشت پناہی سب سے زیادہ آپؐ کے چچا ابوطالب کرتے تھے،

ایک مرتبہ قریشِ مکہ نے ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دو کہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہے، اگر تم سمجھانے سے عاجز ہو تو ان کو ہمارے حوالہ کر دو، تاکہ اُن کو قتل کر دیں ابوطالب اور دیگر بنی ہاشم گو مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر اس پر بھی تیار نہ تھے کہ آپکو مشرکین کے حوالہ کر دیں، جب بنی ہاشم آپؐ کو حوالہ کرنے سے منکر ہو گئے تو قریشِ مکہ نے بنی ہاشم کا اور سارے مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا، جس کا قصہ مشہور ہے، جس وقت مشرکین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں باہمی اتحاد کر لیا تھا اور جو لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے ان کو آپؐ سے نفرت دلاتے تھے اسی وقت ابوطالب نے یہ قصیدہ کہا جس کا اوپر ذکر ہوا[1]، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

---

[1] علامہ عینی نے اس قصیدہ کا پہلا شعر یہ بتایا ہے ؎

خلیلی ماذنی لاقیتی عتاذلی — بصفواء فی حق ولا عند باطل

[2] قالہا لما تمالأ قریش علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونفروا عنہ من یرید الاسلام ۱۲ فتح الباری وارشاد الساری

وَلَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِیْهِمِ ؏ وَقَدْ قَطَعُوْا کُلَّ الْعُرٰی وَالْوَسَائِلِ

ترجمہ:۔ "اور جب میں نے دیکھا قوم کو اس حال میں کہ اُن میں کوئی محبت نہیں ہی، انھوں نے ہر طرح کے تعلقات توڑ دیے"

وَقَدْ جَاهَرُوْنَا بِالْعَدَاوَةِ وَالْاَذٰی ؏ وَقَدْ طَاوَعُوْا اَمْرَالْعَدُوِّ الْمُزَائِلِ

ترجمہ:۔ "اور اُن لوگوں نے ہمارے ساتھ کھلم کھلا دشمنی اور ایذا رسانی کا معاملہ کیا، اور جدائی کرنے والے دشمن کی بات مانی"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں وہ تین شعر لکھے ہیں جو اوپر ایک جا اکٹھے گذر چکے ہیں، ان تینوں کا ترجمہ یہ ہے:۔

وَمَا تَرْكُ قَوْمٍ لَا اَبَالَكَ سَیِّدًا ؏ یَحُوْطُ الذِّمَارَ بَیْنَ بَکْرِ بْنِ وَائِلِ

ترجمہ:۔ "اور (تعجب ہی) کیسا چھوڑنا ہے قوم کا ایسے سردار کو جو قبیلۂ بکر بن وائل کے درمیان ذمہ داری کی حفاظت کرتا ہے"

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ؏ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ:۔ "اور (تعجب ہی) کیسا چھوڑنا ہی قوم کا ایسے سفید (چمکدار) چہرے والے شخص کو جس کے چہرہ کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کا ٹھکانہ ہے اور جس سے بیوہ عورتوں کی حفاظت وابستہ ہے"

یَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ ؏ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِیْ نِعْمَةٍ وَّفَوَاضِلِ

ترجمہ:۔ "بنی ہاشم کے ہلاک ہونے والے اس سردار کی پناہ لیتے ہیں، پس یہ لوگ اُن کے پاس نعمتوں اور عمدہ حالتوں میں ہیں"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ علامہ سہیلیؒ نے سوال اٹھایا ہے کہ ابوطالب کو کیسے علم ہوا کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی برکت سے سیرابی ہوتی ہے، حالانکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوطالب کی زندگی میں بارش کی دعاء مانگی ہو، استسقاء یعنی طلبِ باراں

---

[1] شارح عینیؒ نے اس مصراع کو اس طرح نقل کیا ہی "یحوط الذمار غیر ذرب مؤاکل" ۱۲

کا واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پیش آیا، پھر علامہ سہیلیؒ نے خود ہی جواب دیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا نے آپؐ کو گود میں لے کر قریش کے لئے بارش کی دعاء کی تھی اور دعاء قبول ہوئی تھی،

اور علامہ قسطلانیؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کیا ہے کہ جلہمہؓ بن عرفطہ نے بیان کیا کہ میں مکہ آیا، اس وقت وہاں کے لوگ قحط میں مبتلا تھے، انھوں نے ابوطالب سے کہا کہ ہمارا علاقہ قحط زدہ ہو چکا ہے، اور بال بچے خشک سالی سے دوچار ہیں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کریں، ابوطالب چند لڑکوں کے درمیان ایک لڑکے کو ساتھ لئے کعبہ شریف کے پاس آئے، یہ لڑکا ایسا چمک رہا تھا جیسے اندھیروں میں آفتاب ہو، ابوطالب نے اس لڑکے کو گود میں لے لیا اور کعبہ شریف سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے، اور اس لڑکے نے کعبہ کی پناہ لی (یعنی کعبہ سے چمٹ کر ربِ کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے) اُس وقت آسمان میں بادل کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہ تھا، پس اُسی وقت اِدھر سے اور اُدھر سے بادل آیا اور خوب برسا، جس سے علاقہ جل تھل ہو گیا، اور سرسبزی و شادابی ظاہر ہو گئی، ابوطالب نے اسی واقعہ کے پیشِ نظر یہ شعر کہا، کیونکہ وہ لڑکا جسے ابوطالب نے گود میں لے کر دعاء کی تھی یہی محبوب رب العالمین تھا جسے دوجہاں کی سرداری حاصل ہے، صلی اللہ علیہ وسلم،

فتح الباری اور ارشاد الساری میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک اعرابی (یعنی دیہات کا رہنے والا شخص) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہم لوگ قحط سالی میں مبتلا ہیں، یہ سنکر آپؐ منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے بارش کی دُعاء کی، اس موقعہ پر بارش ہونے پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج اگر ابوطالب ہوتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں کون ہے جو ابوطالب کا شعر سُنائے؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ..... نے عرض کیا کہ گویا آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ شعر پڑھا جائے ؎

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ
ثِمَالَ الْیَتَامٰی عِصْمَۃً لِّلْاَرَامِلِ

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہو ابو طالب نے آپؐ کی یہ مدح اس لئے کی ہو کہ انھوں نے جو آپؐ کے حالات اور کمالات دیکھے اُن کی وجہ سے آپؐ کے بارے میں یہ پختہ یقین رکھتے تھے کہ آپؐ جب کبھی اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعاء کریں گے ضرور قبول ہو گی اھ

نبوت کے آثار تو پہلے ہی سے ظاہر تھے، جو سفرِ شام وغیرہ میں ابوطالب نے دیکھے تھے، پھر ظہورِ نبوت کے بعد انھوں نے بہت سے معجزات دیکھے تھے، جس سے وہ آپؐ کے نبی ہونے کا یقین رکھتے تھے، البتہ ایمان قبول نہیں کیا، وَلَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ،

(۶) وَفِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَتْلُوْ کِتَابَہٗ ۔ اِذَا انْشَقَّ مَعْرُوْفٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعٗ

(۷) اَرَانَا الْھُدٰی بَعْدَ الْعَمٰی فَقُلُوْبُنَا ۔ بِہٖ مُوْقِنَاتٌ اَنَّ مَا قَالَ وَاقِعٗ

(۸) یَبِیْتُ یُجَافِیْ جَنْبَہٗ عَنْ فِرَاشِہٖ ۔ اِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِکِیْنَ الْمَضَاجِعٗ

ترجمہ (۶) "اور ہمارے اندر اللہ کا رسولؐ ہے، جو اس کی کتاب کو تلاوت کرتا ہے، جس وقت مشہور چیز یعنی بلند ہونے والی صبح کی پو پھٹتی ہے"

(۷) "اس رسولؐ نے ہم کو ھدایت دکھلائی اندھے پن کے بعد، پس ہمارے دل یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو بھی کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے ضرور واقع ہو گا"

(۸) "اللہ کا رسولؐ اس حال میں رات گذارتا ہے کہ اپنے پہلو کو اپنے بستر سے جدا رکھتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھل جسم بستروں پر پڑے ہوتے ہیں" (صحیح بخاری، ص ۱۵۵ ج ۱، باب فضل من تعارّ من اللیل، وص ۹۰۹ ج ۲ باب ہجاء المشرکین)

شرح یہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں، جو شعر گوئی میں ممتاز مقام رکھتے تھے، انھوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف میں یہ اشعار کہے تھے، پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپؐ سحر کے وقت جب صبح ہوتی ہے قرآن مجید تلاوت فرماتے ہیں، دوسرے شعر میں دو باتوں کا ذکر کیا ہے، اوّل یہ کہ ہم لوگ ہدایت کے اعتبار سے بالکل اندھے تھے اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے تھے، اور بتوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا، کفر و شرک کی

تاریکیوں کے علاوہ بداعمالیوں میں بھی مبتلا تھے، آپؐ کو اللہ پاک نے مبعوث فرمایا، آپؐ کی تعلیم و تبلیغ اور اصلاح وارشاد سے گمراہوں کو ہدایت مل گئی، تاریکیوں سے نکل کر لوگ روشنی میں آگئے، دلوں میں حق اتر گیا، اور آنکھوں کو نور مل گیا، جہالت اور اندھاپن دُور ہوگیا، جو گمراہ تھے وہ حق کے ہادی اور داعی بن گئے، ع

فصلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نور ہا پیدا

دوسری بات یہ ذکر فرمائی کہ ہمارے دلوں کو اس کا یقین ہے کہ جو بھی کچھ آپؐ نے خبر دی ہے یا آئندہ خبر دیں گے کہ دنیا و آخرت میں ایسا ایسا ہوگا، ہم کو اس کا پورا اور مکمل پختہ یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا ہے اس کے مطابق ضرور ہوگا، زمین و آسمان ٹل جائیں مگر آپؐ کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی، ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب آپ کو نبی مان لیا گیا تو آپؐ کی ہر بات کو صحیح اور یقینی ماننا لازم ہو گیا، اس اجمالی ایمان و یقین کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے برابر ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے، جن میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہوتی رہتی تھی، اس لئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے تعریف میں یہ فرمایا کہ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں ضرور واقع ہوگا،

تیسرے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب بیداری اور رات کی عبادت گذاری کا تذکرہ فرمایا کہ آپؐ اس حالت میں رات گذارتے ہیں کہ پہلوئے مبارک بستر سے علٰحدہ رہتا ہے، اور اپنے خالق و مالک کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے رہتے ہیں، ساتھ ہی مشرکین کا ذکر کیا کہ جس وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نمازیں پڑھتے ہیں، اس وقت مشرکین پڑے سوتے ہیں، اور ان کے جسم بھاری اور بوجھل ہو کر بستر سے چمٹے رہتے ہیں،

علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ پہلے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اور تیسرے شعر میں آپؐ کے عمل کا ذکر ہے، اور دوسرے شعر میں یہ بتایا ہے کہ آپؐ کے ذریعہ اور لوگ باکمال ہوتے ہیں، پس آپؐ کی ذات گرامی ہر طرح سے کامل اور مکمل[1] ہے، حضور اقدس

---

[1] شرح قسطلانی ص ۳۳۰ ج ۲ وذکر مثلہ الحافظ ایضاً فی الفتح فی باب ہجاء المشرکین وعزاہ الی الکرمانی ۱۲

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشاء پڑھ کر سو لے اٹھنے کے بعد لمبی لمبی رکعتوں والی نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، طویلِ قیام کی وجہ سے آپؐ کے مبارک قدموں پر ورم آگیا تھا، کسی نے عرض کیا کہ آپؐ عبادت میں اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ آپؐ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، آپ نے فرمایا کیا میں عبادت میں مشقت چھوڑ دوں اور اللہ تعالےٰ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں، (بخاری و مسلم)

حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھا، حضورؐ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا، اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضورؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، حضورؐ نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی اور جو آیت رحمت کی آتی تو حضورؐ دیر تک رحمت کی دعاء مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اُس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورت کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْعَظْمَۃِ پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی، اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے، اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پارے بنتے ہیں، یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی، جس میں ہر آیتِ رحمت پر رحمت کی دعاء کی اور آیتِ عذاب پر دیر تک عذاب سے پناہ مانگی، اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا،

حضرت حذیفہؓ بھی اپنا ایک قصہ حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ مائدہ کے ختم تک پڑھیں، بعض مرتبہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مائدہ پڑھیں، جن کے تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں، درحقیقت آپؐ کو نماز میں سکون ملتا تھا، اسی لئے تو نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا،

بات یہ ہے کہ جس کو جس قدر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے اسی قدر عبادت میں ترقی کرتا ہے، اور جتنی بھی عبادت کرے اس کو حقیر ہی سمجھتا ہے، جتنی بھی زیادہ عبادت

کرے اور جیسی اچھی سے اچھی عبادت کرے اس کو یہی نظر آتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ عالی کے لائق عمل نہیں ہو سکا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے بڑے عارف تھے اس لئے سب سے بڑے عابد بھی تھے،

جاہل صوفی جن کو نہ شریعت سے تعلق ہے نہ طریقت سے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ معرفت حاصل ہونے کے بعد عبادت کی ضرورت نہیں رہتی، یہ اُن کی زندیقوں والی بات ہے، مشرکین اور کفار جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے آئے تھے وہ بھی اپنے کو حق پر سمجھتے تھے، اور اللہ کے محبوب بندے ہونے کے مدعی تھے، مگر جنگ والی راتوں میں پاؤں پسار کے سوتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا لاڈلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات نماز پڑھتا اور دُعاء کرتا تھا، اسی کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپؐ راتوں رات بستر سے پہلوئے مبارک علٰحدہ رکھتے ہیں اور نماز میں کھڑے کھڑے رات گذارتے ہیں، جبکہ مشرکین بستروں پر بوجھل ہوئے پڑے رہتے ہیں، نرم بستر کو چھوڑ کر اور نیند قربان کر کے اُٹھنا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری دینا در حقیقت بہت بڑی بات ہے، سورۃ ذاریات میں متقی لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝	"وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر شب میں استغفار کرتے تھے"،

سورۃ الٓمٓ سجدہ میں ارشاد ہے،

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝	"ان کے پہلو خوابگاہوں سے علٰحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے انکو رزق دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں"

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں کچھ بالاخانے ہیں (جو ایسے شفاف ہیں کہ) ان کا ظاہری

حصہ اندر سے اور اندر دنی حصہ باہر سے نظر آتا ہے، یہ بالاخانے اللہ جل شانہٗ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جو نرمی سے بات کرتے ہیں، اور کھانا کھلاتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جبکہ لوگ سوتے ہوتے ہیں، اور پے در پے یعنی کثرت سے روزے رکھتے ہیں" (مشکوٰۃ المصابیح عن شعب الایمان)

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ⑨ وَالْمَوْتُ أَدْنَىٰ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ترجمہ:- "ہر آدمی کو اس کے گھر بار میں رہتے ہوئے صبح کے وقت خیریت سے زندہ رہنے کی دعا دی جاتی ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے"

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ⑩ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ⑪ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

ترجمہ:- "کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات ایسی وادی میں گذار دوں گا کہ میرے ارد گرد اذخر اور جلیل نامی گھاس ہوگی،

اور کیا میں کسی دن مجنّہ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے؟ (بخاری، ص ۲۵۳ ج ۱، باب بعد کراہۃ ان تعری المدینۃ و ص ۵۵۸ ج ۱ باب مقدم النبی المدینۃ و ص ۸۴۷ ج ۲ آخر کتاب المرضیٰ)

شرح شعر ۹ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تھا اور اس کے بعد کے دو شعر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھے تھے، تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ مدینہ منورہ پہلے وبائی شہر تھا، اس میں بخار کثرت سے آتا تھا، جو بہت سخت اور گردن توڑ ہوتا تھا، اور اکثر افراد اس میں مبتلا رہتے تھے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے، تو وہاں کی وبائی آب و ہوا سے متأثر ہوئے اور بخار میں مبتلا ہوگئے، مبتلا ہونے والوں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت بلالؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی بخار آگیا تھا، اور اس قدر شدید تھا کہ اُن کے سر کے بال تک اُڑ گئے تھے، جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مزاج پرسی

کے لئے تشریف لے گئیں، اُس وقت اُن کی عمر سات آٹھ سال تھی، اور پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بخار میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے،

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ۔ وَالْمَوْتُ أَدْنَىٰ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ شعر سُنا تو دل میں کہا کہ ابا جان عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ کیا فرما رہے ہیں،

اخبار مدینہ میں عمر بن شبیہؒ نے لکھا ہے کہ یہ شعر حنظلہ بن سیار کا ہے، جو اس نے یوم ذی قار میں کہا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبرت اور نصیحتِ نفس کے لئے اس کو بخار کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو صبح کے وقت دوسرے لوگ دُعاء دیتے ہیں، اور کہتے ہیں صَبَّحَكَ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ، " اللہ خیریت کے ساتھ تیری صبح کرے" لیکن موت کا کسی کو پتہ نہیں کب آکھڑی ہو، اور وہ انسان سے اتنی قریب ہے کہ اس کے جوتہ کا تسمہ بھی قدم سے اتنا قریب نہیں ہے،

بعض شرّاح نے كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ ہر آدمی کو صبح کے وقت شراب پلائی جاتی ہے اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ موت قریب کھڑی ہے، تھوڑی دیر میں دبا لیتی ہے،

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظمہ بہت یاد آتا تھا، اور بخار اُتر جانے کے بعد مکہ کی یاد میں بلند آواز سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے،

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ۔ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

ترجمہ: " کاش مجھے پتہ چل جاتا کیا کوئی رات اس وادی میں گذاروں گا، کہ میرے اردگرد اذخر و جلیل گھاس ہوگی "

اذخر مکہ معظمہ کے جنگل کی مشہور گھاس ہے جو بہت عام ہوتی ہے، یہ گھاس خوشبودار ہوتی ہے، پتے چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، اور جلیل پیلے رنگ کی ایک گھاس ہے، اس سے چھپر وغیرہ بنایا کرتے تھے، شیخ ابو عمر نے فرمایا کہ یہ دونوں گھاسیں (اذخر و جلیل) مکہ میں اور اس کی وادیوں میں ہوتی ہیں، اور کسی جگہ نہیں ملتی ہیں،

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ۔ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

ترجمہ: "اور کیا میں کسی دن مجنّۃ مقام کے پانیوں پر وارد ہوں گا (یعنی وہاں کے پانیوں سے پینا اور فائدہ حاصل کرنا نصیب ہوگا) اور کیا میرے لئے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے (یعنی کیا کبھی یہ دونوں پہاڑ نظر پڑیں گے)"

مقام مجنّۃ کے بارے میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے، کسی نے کہا ہے کہ یہ جگہ مَرّ الظَّہران میں تھی، اور کسی نے بتایا ہے کہ مکہ معظمہ کے نشیبی حصہ کی جانب ایک برید کے فاصلہ پر تھی، زمانۂ جاہلیت میں یہاں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے دس دن بازار لگتا تھا، اس کے بعد آٹھ روز تک ذی المجاز میں بازار لگتا تھا، اس کے بعد حج کے لئے منیٰ کو روانہ ہو جاتے تھے،

شامہ اور طفیل کے بارے میں شراح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مکہ سے تیس میل دور دو پہاڑ ہیں، اور بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ دونوں پہاڑ مقام مجنّۃ کے قریب ہیں،

علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ "میں بھی یہی سمجھتا رہا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں، پھر وہاں سے میرا گذر ہوا تو پتہ چلا کہ یہ دونوں پانی کے چشمے ہیں"، لیکن علامہ زرقانی نے فرمایا ہے کہ دونوں باتیں اس طرح جمع ہوتی ہیں کہ پہاڑوں میں یا پہاڑوں کے قریب دو چشمے ہوں، لہٰذا جس نے پہاڑ بتایا اس کی بات بھی ٹھیک ہوئی، اور جس نے کہا چشمے ہیں اس کی بات بھی درست ہوئی واللہ اعلم

علامہ زرقانی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ دونوں شعر خود حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہیں ہیں بلکہ بکر بن غالب جرہمی کے شعر ہیں، جو اس نے اس وقت کہے تھے جبکہ بنی خزاعہ نے اس کو مکہ معظمہ سے نکال دیا تھا،[ل]

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو حبشہ کے رہنے والے لیکن برسہا برس چونکہ مکہ معظمہ میں رہے تھے اور وہاں کی سرزمین سے مانوس تھے، اور مدینہ منورہ آتے ہی وبائی بخار میں پڑ گئے تھے اس لئے مکہ کی سرزمین کے چھوٹ جانے پر بطور حسرت اور افسوس کے یہ شعر پڑھتے تھے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "کاش! میں مکہ کی وادی میں پہنچ جاتا اور وہاں گھاس

ل صحیح بخاری مع حاشیہ فتح الباری باب حج المسافر، ص ۱۲۹ ا و ۱۳۰ ج ۶،

کے درمیان اٹھتا بیٹھتا، اور کاش! مکہ کے راستہ کے پہاڑوں اور پانیوں پر میرا گذر ہوتا اور پرانے وطن پہنچنا نصیب ہوتا،

ان اشعار کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کے مشرکوں کے سرغنوں کے لئے بد دعا بھی کی کہ اے اللہ شیبہ، ربیعہ، عتبہ، امیہ پر لعنت کر جنھوں نے ہم کو ہماری سرزمین سے نکال کر وبا والی زمین میں آنے پر مجبور کیا،

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابوبکر رض اور حضرت بلال رض کے بخار کا اور ان کے مکہ معظمہ کے اشتیاق کا ذکر کیا تو آپؐ نے اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں یہ دعاء فرمائی کہ:۔

اللّٰھم حبّب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد اللّٰھم بارک لنا فی صاعنا وفی مدنا وصحّحھا لنا وانقل حمّاھا الی الجحفۃ (صحیح بخاری، ص ۲۵۳ ج ۱)	"اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنادے جیسا کہ مکہ سے ہم کو محبت ہی، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت دیدے، اے اللہ ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما اور مدینہ کی آب وہوا کو درست فرمادے اور اس کے بخار کو جحفہ میں بھیجدے"،

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعاء قبول ہوئی، اور مدینۂ منورہ کی آب ہوا نہایت عمدہ ہوگئی، اس کی ہوا اور اس کی مٹی میں شفاء ہی، اس کی بھینی بھینی ہوا کے اثر سے معلوم ہوتا ہے جیسے دل پر شبنم کے پُر بہار قطرے گر رہے ہوں، اُس کی گلیوں میں عجیب کیفیت ہے، اور در و دیوار میں عجیب بہار ہے، آپؐ کی دعاء کے بعد مدینۂ منورہ حضرات صحابہ رض کو ایسا ہی محبوب ہوگیا جیسا کہ مکہ معظمہ تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت ہوگئی، اور مدینہ کے پھلوں میں صاع و مد میں بھی بہت زیادہ برکت ہوگئی، جو آج تک آنکھوں سے دیکھی جاتی ہی صاع اور مُد اس زمانے میں پیمانوں کے نام تھے، جن سے ناپ کر خرید و فروخت کرتے تھے،

جُحفَہ، رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اُس زمانہ میں وہاں یہودی رہتے تھے، اس لئے مدینۂ منورہ کے بخار کو وہاں بھیجنے کی دعاء فرمائی، مدینہ کی آب وہوا تو عمدہ ہوگئی اور جحفہ کو

ایسی بد دُعا لگی کہ اُجڑ ہی گیا، اور آج تک اُجاڑ ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ایک سیاہ عورت مدینہ منورہ سے مَهْيَعَه میں داخل ہو گئی، آپؐ نے تعبیر دی کہ مدینہ کی وبا منتقل ہو کر مَهْيَعَه میں چلی گئی، مَهْيَعَه جحفہ کا دوسرا نام ہے،

مدینہ منورہ میں جو آجکل کسی کو بخار آجاتا ہے یہ آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ وبائی بخار ہے، بلکہ بخار کے جو دوسرے طبعی اسباب ہیں اُن کی وجہ سے بخار آتا ہے، اور بخار مؤمن کے لئے بہت مبارک ہے، اس سے خوب گناہ معاف ہوتے ہیں،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے بہت ہی محبت تھی، سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے جب مدینہ منورہ کی دیواروں پر نظر پڑتی تھی تو آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے آپؐ سواری کو تیز کر دیتے تھے، آپؐ کا ارشاد ہے؛

أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ (بخاری شریف)	یعنی اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں"

مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بہت محبوب اور مرغوب عمل ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مدینہ منورہ سے بے رغبت ہو کر اس کو چھوڑے گا اللہ جل شانہٗ اس کے بدلے اس میں کوئی دوسرا شخص بھیج دے گا، جو اس چلے جانے والے سے بہتر ہو گا، اور (فرمایا کہ) جو شخص (مدینہ کے قیام میں) اس کی شدت اور مشقت پر صبر کرے گا میں اس کے لئے سفارش کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا، (صحیح مسلم)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس سے یہ ہو سکے کہ مدینہ میں مرے اس کو چاہئے کہ وہ مدینہ میں مرے کیونکہ میں اس کے لئے سفارش کروں گا، جو مدینہ میں مرے گا، (احمد وترمذی، وقال حسن صحیح غریب اسناد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال نہ پہنچے گا، سوائے مکہ اور مدینہ کے، مدینہ کے ہر راستہ پر فرشتے صف بنائے پہرہ دے رہے ہوں گے (دجال وہاں

پہونچے گا تو شہر میں داخل نہ ہوسکے گا، شہر کے باہر) شور زمین میں اُتر جائے گا، اُس وقت مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا، جس کی وجہ سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر دجال کے ساتھ ہو جائے گا، (صحیح بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دجال مشرق کی جانب سے آئے گا اور اُحد کے پیچھے اُترے گا، پھر فرشتے اس کا رُخ شام کی طرف کر دیں گے، اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو جائیگا (

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوگا (مسلم)

اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اہلِ مدینہ کے بارے میں کسی طرح کی بُرائی (یعنی دُکھ پہنچانے والی چیز) کا ارادہ کرے گا اللہ اس کو اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے، (مسلم)

جن حضرات کو مدینہ طیبہ میں رہنا نصیب ہو، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مدینہ و اہلِ مدینہ سے محبت کریں، کسی سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو درگذر کریں اور تکلیف دینے والے کے حق میں دُعا کریں، جس طرح ممکن ہو دُکھ تکلیف کے ساتھ آخری دم تک مدینہ میں رہیں، تاکہ مدینہ میں موت آئے،

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بلاشبہ ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ کر آجائیگا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ کر آتا ہے،، اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے، اور بعض احادیث میں مدینہ کو طیبہ فرمایا ہے، (مسلم) "طیبہ" اور "طابہ" دونوں بمعنی پاکیزہ ہیں

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مدینہ لوگوں کو دُور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دُور کرتی ہے، (بخاری)

مدینہ طیبہ میں کسب دنیا کے لئے نہ رہے، اور مدینہ کو اس لئے نہ چھوڑے کہ فلاں جگہ مال بہت ہے، یا چیزیں سستی ہیں، حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ یمن فتح ہوگا، پس لوگ آئیں گے، اپنے جانوروں کو چلا کر لے جائیں گے، اور اپنے اہل و عیال

کو، اور جو کوئی ان کی بات مانے گا اُس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ اُن کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے، اور شام فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی ان کی اطاعت کرے اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہوگا کاش وہ جانتے ہوتے، اور عراق فتح ہوگا پس لوگ آئیں گے جو اپنے جانوروں کو چلائیں گے اور اپنے اہل وعیال کو اور جو کوئی انکی بات مان لے گا اس کو اٹھا کر وہاں لے جائیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، کاش وہ جانتے ہوتے (بخاری)

وَهَانَ عَلَىٰ سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ ﴿۱۲﴾ حَرِيقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيرُ

ترجمہ: "اور آسان ہوگیا بنی لُؤَیٍّ کے سرداروں (یعنی مہاجرین) پر مقام بُوَیْرَہ میں ایسی آگ لگانا جس کے شرارے خوب اُڑ رہے تھے" (صحیح بخاری ص ۳۱۲/۱۲، باب قطع الشجر والنخل و ص ۵۷۵ ج ۲ باب حدیث بنی النضیر)۔

شرح زمانۂ قدیم سے مدینہ منورہ کے اوپر کے حصّہ میں جسے "عوالی" کہا جاتا ہے یہود کے دو بڑے قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر آباد تھے، ان کے علاوہ دو قبیلے اور تھے، ایک بنو قینقاع اور ایک بنو حارثہ، ان لوگوں کے آباء واجداد اس نیت سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہوں گے، تو ہم اُن پر ایمان لے آئیں گے، اور اُن کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد کریں گے، اندرونِ شہر اوس اور خزرج نامی دو قبیلے رہتے تھے، یہ لوگ بُت پرست تھے، یہی آخر الذکر دو قبیلے مسلمان ہوکر "انصار" کے مبارک لقب سے سرفراز ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکین سے یہودی خود بیان کیا کرتے تھے کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے، وہ نبی آخر الزماں ہوں گے، پھر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مشرکین کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج تو مسلمان ہوگئے اور یہودی اس ضد میں کافر ہی رہ گئے کہ ہم میں سے نبی کیوں نہ آیا، جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، اور مدینہ میں قیام فرمالیا تو یہاں یہودیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں سے واسطہ پڑا

اوّل تو اُن لوگوں نے صُلح کر لی اور یہ عہد کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے، اور اگر کوئی دشمن حملہ آور ہوا تو اس کے مقابلہ میں آپؐ کی مدد کریں گے لیکن بعد میں غدر کیا اور صلح کو توڑ بیٹھے، سنن ابو داؤد میں ہے کہ جنگ بدر کے بعد مشرکینِ مکہ نے مدینہ منورہ کے رہنے والے یہودیوں کو خط لکھا کہ تم لوگ ہتھیاروں اور قلعوں والے ہو، لہٰذا ہمارے آدمی (یعنی ہمارے یہاں سے ہجرت کر کے جانے والے شخص) محمّد (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے جنگ کرو، ورنہ ہم تمہارے ساتھ ایسا ایسا کریں گے، اور اس وقت ہمارے اور تمہاری عورتوں کے پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہوگی (یعنی ہم سے جو کچھ ہو سکے گا ہم کریں گے، تمہاری عورتوں کو بے عزت کریں یا اُن کو باندی بنائیں کوئی چیز ہم کو روکنے والی نہ ہوگی)

جب بنو نضیر کو یہ خط مِلا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سے جو عہد کر رکھا تھا اس کی خلاف ورزی کرنے اور آپؐ کے ساتھ) بدعہدی کرنے پر تُل گئے، اور آپؐ کو شہید کرنے کی یہ ترکیب کی کہ آپؐ کو لکھ بھیجا کہ آپؐ اپنے آدمیوں کے ساتھ آجائیں ہمارے علماء آپؐ کی بات سُنیں گے، اگر انھوں نے آپؐ کی تصدیق کر دی تو ہم سب ایمان لے آئیں گے جب آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ روانہ ہوئے تو اُن لوگوں نے چپکے سے خنجر چھپا کر رکھ لئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچانک بے خبری میں شہید کرنے کی آپس میں خفیہ سازش کر لی، بنی نضیر کی ایک عورت نے ایک انصاری مسلمان کو اس مشورہ کی خبر دیدی یہ انصاری اس عورت کے بھائی تھے، یہ صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑے ہوئے گئے، اور آپؐ کے پہنچنے سے پہلے آپؐ کو صورتِ حال سے مطلع کر دیا، آپؐ یہ خبر پاکر واپس ہو گئے، پھر دوسرے دن صبح کو آپ اپنے لشکروں کے ساتھ تشریف لے گئے، اور اُن کا محاصرہ کر لیا، اور ان سے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب تم کو ہمارے پاس کوئی امان نہیں ہے، جب تک نیا معاہدہ نہ کرو، انھوں نے اس سے انکار کیا تو اس دن آپؐ نے قتال جاری رکھا، پھر دوسرے دن صبح صبح آپؐ لشکروں کے ساتھ اوّلاً بنی قریظہ کے پاس تشریف لائے، اور بنی نضیر کو چھوڑ دیا، بنو قریظہ سے وہی نئے

معاہدہ کی بات کی، انھوں نے نیا معاہدہ کرلیا، اس کے بعد آپؐ نے بنو قریظہ کو چھوڑ کر اپنے لشکروں سمیت بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے قتال کیا، ان لوگوں نے قلعوں میں پناہ لے لی تھی، حضرات صحابہؓ نے ان کا محاصرہ جاری رکھا، حتیٰ کہ یہ لوگ جلاوطنی پر رضامند ہوگئے، اور جو سامان اور گھروں کے دروازے اور لکڑیاں اونٹوں پر لے جاسکتی تھے وہ لے گئے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قریشِ مکہ کو بدر میں شکست دے کر کامیاب اور فتح یاب ہوکر واپس ہوئے تو یہودیوں کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع کیا، اور اُن سے فرمایا کہ:۔

یامعشر یہود اسلموا قبل ان یصیبکم ما اصاب قریشاً	"یعنی اے یہودیو! تم اس سے قبل مسلمان ہوجاؤ کہ تم کو بھی وہی مصیبت پہنچے جو قریشِ مکہ کو پہنچی"۔

یہ سنکر یہودیوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے بہت ہی ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم دھوکہ میں ہرگز نہ پڑو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم پر بھی غالب آجاؤ گے) کیونکہ آپ کو اب تک قریشِ مکہ سے واسطہ پڑا ہے، جو اناڑی لوگ ہیں لڑنا نہیں جانتے، تم نے ہم سے جنگ کی تو پتہ چلے گا کہ ہم جنگی لوگ ہیں، اور یہ معلوم ہوجائے گا کہ ہماری جیسی جماعت سے (اب تک) واسطہ نہیں پڑا ہے۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے پاس دو مقتول شخصوں کی دیت (خونبہا) کے سلسلہ میں تشریف لئے گئے، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی اس میں شریک ہوجائیں، یہ دو مقتول بنی عامر کے قبیلہ کے تھے، ان کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، نیز بنی نضیر اور بنی عامر کے درمیان دوستی تھی

---

[1] سنن ابی داؤد مع شرح بذل المجهود باب فی خبر النضیر، ۱۲

[2] سنن ابی داؤد، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ ۱۲

جب آپؐ بنی نضیر کے پاس دیت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے، تو انھوں نے کہا کہ ہاں بیٹھئے ہم فکر کرتے ہیں اور چندہ جمع کر کے دیتے ہیں، اِدھر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو یہ کہا، اور اُدھر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اُن کو ہلاک کرنے کا اس سے اچھا کیا موقع ہو سکتا ہے؟ آپؐ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہوتے تھے، ان لوگوں نے ایک شخص کو آمادہ کیا کہ اوپر سے آپؐ پر ایک بہت بڑا پتھر گرا دے، آپؐ کو آسمان سے اس کی اطلاع مل گئی، اور آپؐ وہاں سے یہ ظاہر کر کے اُٹھ گئے کہ قضائے حاجت کی ضرورت ہے، اور اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لائے، اور آپؐ نے ان کے پاس خبر بھیجی کہ اب تم میرے ساتھ اس شہر میں نہیں رہ سکتے ہو، میں تم کو جِلا وطن کرتا ہوں، تم کو دس دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر یہاں سے چلے جاؤ،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر دیکھ کر یہ لوگ قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے، اور اُن کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے تھپکی دیدی اور کہا کہ تم یہاں سے ہرگز نہ جانا، ہم تمہارے حامی اور ساتھی ہیں، اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ضرور بالضرور نکلیں گے اور تم سے جنگ کی گئی تو ہم بھی ضرور بالضرور تمھاری مدد کریں گے،

ان لوگوں کی بات سن کر بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلتے، آپ جو چاہیں کریں، آپؐ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ، حَارَبَتْ یَھُوْدُ (اللہ سب سے بڑا ہے، یہودی جنگ پر اُتر آئے) آپؐ کے لشکر نے بنی نضیر کا محاصرہ جاری رکھا، جو چھ دن تک رہا، اس عرصہ میں مسلمانوں نے اُن کے کھجوروں والے باغات میں سے بہت سے درخت کاٹ دیئے اور جلا دیئے، یہ لوگ مدد کی تھپکی دینے والوں کے انتظار میں رہے، مگر کسی نے کچھ مدد نہ کی، بالآخر اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ جِلا وطن ہو جائیں اور مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے ہی جِلا وطنی کا فرمان بھیج دیا تھا، اب بعد خرابیٔ بسیار اس پر آمادہ ہو گئے، ان کو اجازت دی گئی کہ اونٹوں پر جو کچھ لے جا سکتے ہوں لے جائیں، چنانچہ انھوں نے اپنے بنائے ہوتے گھروں کی کڑیاں اور کواڑ خود اپنے ہاتھوں سے نکالنا شروع کر دیا، جس وقت یہ لوگ اپنے مکان گرا رہے تھے مسلمان بھی اُن کے

گھر توڑ رہے تھے، یہ لوگ اونٹوں پر لکڑیاں، کواڑ، چوکھٹ وغیرہ رکھ کر اور بہت سا سامان ساتھ لے کر خیبر اور شام کی طرف چلے گئے، ان میں سے صرف دو شخص مسلمان ہوئے، ایک یامین بن عمیرؓ اور دوسرا ابو سعید بن وہبؓ، ان دونوں کا مال محفوظ رہا،
یہ واقعہ غزوۂ بدر کے بعد پیش آیا، یہود کا قبیلہ بنو قینقاع پہلے ہی جلا وطن کیا جا چکا تھا، لہ

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو بنی نضیر کے درخت جلا دیئے تھے، ان کا ذکر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے، جس کی تشریح کے ذیل میں یہ واقعہ ہم نے ابھی ابھی بیان کیا ... دیوانِ حسانؓ میں اس کے ساتھ تین شعر اور ذکر کئے ہیں، چاروں اشعار مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ۔

تَفَاقَدَ مَعْشَرٌ نَصَرُوْا قُرَيْشًا ٭ وَلَيْسَ لَهُمْ بِبَلْدَتِهِمْ نَصِيْرُ

ترجمہ: "جن لوگوں نے قریش کی مدد کی اُن سب نے ایک دوسرے کو گم کر دیا، یعنی سب ہلاک اور منتشر ہو گئے، اور اُن کے شہر میں اُن کا کوئی مددگار نہ رہا"

هُمُ اُوْتُوا الْكِتٰبَ فَضَيَّعُوْهُ ٭ فَهُمْ عُمْيٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ بُوْرُ

ترجمہ: "اُن لوگوں کو کتاب دی گئی، پس انھوں نے اس کو ضائع کر دیا، پس یہ لوگ توراۃ کے بارے میں اندھے ہیں اور ہلاک شدہ لوگ ہیں"

كَفَرْتُمْ بِالْقُرْاٰنِ وَقَدْ اُتِيْتُمْ ٭ بِتَصْدِيْقِ الَّذِيْ قَالَ النَّذِيْرُ

ترجمہ: "تم نے کفر کیا قرآن کے ساتھ، حالانکہ تم کو اس چیز کی تصدیق دی جا چکی ہے جو اللہ کے نذیر یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ ٭ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

لہ فتح الباری حدیث بنی نضیر بعد ذکر شہداء بدر ۱۲

لہ فتح الباری میں بھی یہ اشعار نقل کئے ہیں، مگر اس میں تَفَاقَدَ کے بجائے تَقَاعَدَ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ قریش کے مددگار بیٹھ گئے" ۱۲

ترجمہ: "اور بنی لوی کے سرداروں پر آسان ہوگیا مقام بُوَیرَہ کو جلانا، جس کے شرارے خوب اُڑ رہے تھے"۔

ان اشعار میں حضرت حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کی بدحالی بیان کی ہے، کہ وہ قریشِ مکہ کے مددگار بنے، اور اسلام کے خلاف کارروائی کرنے میں مشرکین کے ساتھ ہوئے، پھر وہ اسی بیچارگی میں رہ گئے، کہ اُن کے شہر میں بھی اُن کا کوئی مددگار نہ رہا ان کو اللہ پاک نے توراۃ دی تھی، لیکن اس کی ہدایت کے خلاف چلتے رہے، اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں کو چھپا گئے، اور توریت کا غلط مطلب لوگوں کو بتا کر پیسے کھاتے رہے، پس توراۃ کا جاننا نہ جاننے کے برابر ہوا، لہٰذا اندھوں کے مانند ہوئے، بلکہ اندھوں سے بھی بدتر ہو کر ہلاک ہوئے، کیونکہ اندھے کی بینائی چلی جاتی ہے، لہٰذا وہ دیکھنے سے مجبور ہو جاتا ہے، اور یہ لوگ جانتے ہوئے جہالت میں پڑ گئے، اور نفسانی ضد اور ہٹ نے اُن کو تباہ کر دیا، اس لئے عُمْیٌ کے بعد بُورٌ بھی فرمایا، یعنی یہ لوگ توراۃ کے بارے میں اندھے ہیں، بلکہ اس کی صریح خلاف ورزی کی وجہ سے برباد اور تباہ حال ہیں، انھوں نے قرآن کا انکار کیا، اور آخرالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، جن کے دعوائے نبوت کی تصدیق خود توراۃ میں بھی موجود تھی،

آخر میں قریشِ مکہ کا دل جلانے کے لئے حضرت حسّان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "بنی لوی کے سرداروں یعنی مہاجرینِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے مقام بُوَیرَہ[1] میں آگ لگانا آسان ہوگیا، اور قریش کی معاونت کا دم بھرنے والے یہودیوں کو اپنے باغات اور زمین وجائیداد سے ہاتھ دھو کر خود ہی مدینہ چھوڑنا پڑا، اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زک دے کر قریش کو کیا خوش کرتے خود ہی ناچار مجبور ہو کر بیک بینی و دوگوش مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے،

---

[1] فتح الباری میں ہے کہ بُوَیرَہ تصغیر ہے بُورَہ کی بُورہ گڑھے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے ایک مقام معروف مراد ہے، جو مسجد قبا سے قبلہ کی جانب کچھ دور چلنے کے بعد مغربی سمت کو ہٹ کر ہے ۱۲

شعر وَهَانَ عَلٰی سَرَاةِ بَنِیْ لُؤَیٍّ الخ کا ترجمہ و مطلب جو ہم نے ابھی لکھا ہے یہی دل کو زیادہ لگتا ہے، اگرچہ شرّاح کی مجمل عبارتوں سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بنی لوٴی کے سرداروں سے مہاجرین کرام مراد نہیں ہیں، بلکہ قریشِ مکّہ مراد ہیں، جو اُس وقت مشرک تھے، اور حضرت حسان رضؓ کا مقصد یہ ہے کہ مشرکینِ مکّہ کے سرداروں نے یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکایا اور مدد کے وعدے کئے، جس کی وجہ سے وہ شیر ہو کر آمادۂ جنگ و جدال ہوئے، پھر جب اُن کے باغات جلائے گئے تو سرداران قریش نے کچھ بھی مدد نہ کی، اور اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے کیونکہ یہود کو اُکسا کر اس ذلت تک پہنچانے کا ذریعہ قریشِ مکہ ہی بنے تھے، اس لئے گویا ان درختوں کے کاٹنے اور جلانے کے ذمّہ دار قریش ہی ہیں، واللہ اعلم

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا اشعار کے جواب میں ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب نے بعض اشعار کہے، یہ اشعار بھی بخاری شریف میں منقول ہیں، ابو سفیان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتحِ مکّہ کے دن مسلمان ہوئے، ان کے اشعار یہ ہیں:۔

اَدَامَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مِنْ صَنِيْعٍ ﴿۱۳﴾ وَحَرَّقَ فِيْ نَوَاحِيْهَا السَّعِيْرُ

ترجمہ: "اللہ ہمیشہ رکھے اس کام کو (یعنی آگ لگانے کو) اور جلاتی رہے آگ مدینہ کے گردو نواح میں!"

سَتَعْلَمُ اَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ ﴿۱۴﴾ وَتَعْلَمُ اَيَّ اَرْضَيْنَا تَضِيْرُ

(صحیح بخاری، ص ۵۷۵ ج ۲، باب حدیث بنی النضیر)

ترجمہ: "تو عنقریب جان لے گا کہ ہم سے کون اس زمین (بُوَیْرَہ) سے دور رہے، اور تو یہ بھی جان لے گا کہ دونوں زمینوں (یعنی سرزمینِ مکّہ اور سرزمینِ مدینہ) میں سے تم کس کو نقصان پہنچا رہے ہو!"

ابو سفیان نے اپنے پہلے شعر میں مسلمانوں کو بد دعا دی کہ یہ باغات جلنے جلانے کا کام مدینہ میں ہوتا رہے، اور اس کے گرد و نواح میں دھکتی ہوئی آگ اپنا کام کرتی رہے، اور گو اس میں اپنے حلیفوں یعنی یہود کے لئے بھی بد دعا ہے، لیکن چونکہ مسلمانوں کا اقتدار مدینہ پر

مکمل ہو چکا تھا، اور یہود بنی قینقاع اور یہود بنی نضیر وہاں سے جلا وطن ہو چکے تھے، اور یہود بنی قریظہ کے جینے کے بھی آثار نہیں رہے تھے، اس لئے اس بد دعا کا رُخ مسلمانوں کی ہی طرف ہے،

دوسرے شعر میں اُس نے حضرت حسّانؓ کو خصوصًا اور عام مسلمانوں کو عمومًا خطاب کر کے کہا کہ بُوَیرَہ میں آگ لگانے کی بات ہم کو کیا سناتے ہو، یہ تو تمھارا اپنا نقصان ہے، ہم تو مکہ میں ہیں، جو مدینہ سے بہت دُور ہے، اور تم لوگ تو وہیں ہو جس زمین میں آگ لگی ہے، اس کے اثر سے تمھاری اپنی زمینوں کو نقصان ہو سکتا ہے، ہم کو اتنی دور سے کیا نقصان ہوگا؟ تم خود سمجھ لو کہ آگ لگا کر کس سرزمین کو تم نے نقصان پہنچایا؟ ہماری زمین کو نقصان پہنچایا یا تمہاری زمین کو؟ اَرْضِینَا بکسر الضاد جمع بھی منقول ہے اور اَرْضَینَا بفتح الضاد تثنیہ کی بھی روایت ہے، مآل دونوں کا ایک ہی ہے،

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ شارح کرمانی نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں تَضِیْرٌ (بالتاء) کی بجائے نَضِیرٌ (بالنون) ہے، جو نضَارَۃ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے، اس صورت میں آخری مصرع کا ترجمہ یوں ہوگا کہ "اے مخاطب تو جان لے گا کہ ہماری زمینوں میں کونسی زمین پُررونق ہے، ہماری یا تمھاری"، یعنی آگ لگا کر تم نے اپنی زمین خود خراب کر دی، ہماری زمین اپنی تروتازگی اور خوبی پر باقی رہی،

ابو سفیان کے شعروں کا جواب کسی جگہ منقول نہیں دیکھا، جو کسی صحابی نے نظم یا نثر میں دیا ہو، البتہ قرآن مجید میں جو بنی نضیر کی جلاوطنی کا تذکرہ فرما کر اُن کے درختوں کے کاٹنے کا ذکر فرمایا ہے اس میں اس کا جواب موجود ہے، سورۂ حشر میں ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ مَّانِعَتُھُمْ حُصُوْنُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ

"اللہ وہی ہے جس نے اہل کتاب (یعنی بنی نضیر) کو ان کے گھروں سے پہلی بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (اس میں اشارہ ہے کہ دوسری بار پھر نکالے جائیں گے، چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ نے تمام یہود کو جزیرۂ

فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ق وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ق فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ ○ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ط وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ج وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (پ ۲۸)

عرب سے نکال دیا) تمھارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ کبھی (اپنے گھروں سے) نکلیں گے، اور انھوں نے بھی یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے انتقام) سے بچالیں گے، سو اُن پر خدا (کا عذاب) ایسی جگہ سے آپہنچا جہاں سے ان کو خیال اور گمان بھی نہ تھا، اور (ان کے دلوں میں اللہ نے رُعب ڈال دیا (جس کی وجہ سے اُن کی یہ حالت تھی کہ) اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے تھے، سواے دانشمندو! عبرت حاصل کرو، (کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا انجام بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت بُرا ہوتا ہی) اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی قسمت میں جِلاوطنی نہ لکھی ہوتی تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا، اور اُن کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہی، یہ اس سبب سے کہ اُن لوگوں نے اللہ کی اور اللہ کے رسول ؐ کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہی تو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، (مخالفت دو طرح سے ہوئی، اوّل نقضِ عہد جس کی سزا جِلاوطنی ہوئی، دوّم ایمان نہ لانا جس کی سزا عذابِ نار ہی) جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا اُن کو اُن کی جڑوں پر باقی رکھا، سو دونوں باتیں خدا ہی کے حکم اور رضا کے موافق ہیں، (تاکہ مسلمانوں کو عزت دے) اور تاکہ کافروں کو ذلیل کرے "۔

(از بیان القرآن)

آخری آیت کے شانِ نزول کے بارے میں حاشیہ بخاری، صفحہ ۵۷۵ ج ۲ میں معالم التنزیل

سے نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو یہود کے درخت کاٹے تھے اُس میں خود صحابہؓ میں اختلاف ہو رہا تھا، بعض حضرات فرماتے تھے کہ یہ مال فَیٔ ہے جو ہم کو ملنے والا ہے، ہم اس کو کیوں کاٹیں؟ یہ تو ہمارا ہی نقصان ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ کاٹنا مناسب ہے، تاکہ یہودیوں کے دل جلیں اور تلملائیں، اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جو تم نے درخت کاٹے ہیں اور جو چھوڑ دیتے ہیں، یہ دونوں کام اللہ کے حکم کے موافق ہیں دونوں میں مصلحت ہے، ترکِ قطع میں بھی مسلمانوں کی کامیابی ہے، اور کفار کے لئے دلسوزی اور حسرت وافسوس اور زبردست غمی کی بات ہے کہ اُن سے چھوٹ کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں گے، اور کاٹنے جلانے میں بھی حکمت ہے، کیونکہ اس سے مسلمانوں کے غلبہ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور کافروں کے دل جلتے ہیں، اور ان کی پوری طرح رسوائی ہوتی ہے، دشمن کو ذلیل اور رُسوا کرنا بھی ایک بہت بڑی چیز ہے، اس غرض کے لئے بعض مرتبہ اپنا نقصان تک برداشت کرلیا جاتا ہے، پس ابوسفیان کا یہ کہنا کہ تم نے اپنا نقصان کیا .... اس کی کوئی حقیقت نہیں، کیونکہ معمولی نقصان برداشت کرکے دشمن کو خوب ذلیل اور رُسوا کرکے جلاوطن کردیا،

منافقین نے جو بنو نضیر کو بھبکی دی تھی کہ تم ہرگز نہ نکلنا ہم تمھارا ساتھ دیں گے، اس کا تذکرہ سورۂ حشر کے رکوع نمبر ۲ میں اس طرح سے فرمایا:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ

"کیا آپ نے اُن منافقوں کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہلِ کتاب ہیں کہتے ہیں کہ واللہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمھارے ساتھ نکل جائیں گے، اور تمھارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اگر تم سے ... لڑائی کی گئی تو ہم تمھاری مدد کرینگے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں،

وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ج وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ٥ (پ ۲۸، ع ۵)

واللہ اگر اہلِ کتاب نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ اُن کی مدد نہ کریں گے، اور اگر اُن کی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی"۔

منافقین کو اہلِ کتاب کا بھائی اس لئے فرمایا کہ کفر اختیار کرنے میں دونوں شریک تھے منافقین کیونکہ دل سے کافر تھے اور جھوٹی زبان سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے اللہ کے نزدیک اُن کا کافروں میں شمار تھا، اُن کی اور یہود کی شرارتیں اور سازشیں اسلام اور داعیِ اسلام کے خلاف برابر رہتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب دشمنانِ اسلام سے عہدِ نبوت ہی میں نجات دیدی تھی، برسہا برس کے بعد پھر یہود و نصاریٰ نے سر اٹھایا، اور اس دور کے منافقین ان کا ہاتھ دیتے رہے، اور مخلص مسلمان ان کی ہمیشہ سرکوبی کرتے رہے، آج پھر اسلام کے خلاف کفری جماعتوں کا گٹھ جوڑ ہے، اللہ جل شانہٗ مسلمانوں کو توفیق دے کہ کفر اور اہلِ کفر کے خلاف متحد ہو کر اسلام کی خدمت اور نصرت کے لئے سینہ سپر ہوجائیں، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ط

(۱۵) اَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ

ترجمہ "ارے اے حمزہ (اُٹھ) موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف"

(صحیح بخاری صفحہ ۳۲۰ ج ۱ باب بیع الحطب الکلاء وص ۵۷۱ ج ۲، باب بعد شہود الملائکۃ بدراً)

شرح اس مصرع کے ساتھ اور بھی مصرعے ہیں، لیکن بخاری شریف میں صرف یہی ایک مصرع مذکور ہے، جس قصہ سے متعلق یہ اشعار مروی ہیں پہلے اس قصہ کو ذہن نشین کرلینا چاہئے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت سے مجھے ایک اونٹنی عنایت فرمائی تھی، اور ایک اونٹنی آپ نے اس کے علاوہ مجھے دیدی تھی، میرا ارادہ تھا کہ جب رخصتی ہو اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گھر لاؤں تو ولیمہ کروں، اور اس مقصد کے لئے میں نے یہود کے قبیلہ بنی قینقاع کے ایک

سُنار کو آمادہ کیا تھا، کہ میرے ساتھ چلے، اور دونوں اونٹنیوں پر اذخر گھاس لے کر آئیں، اور اُسے فروخت کر کے ولیمہ کے اخراجات میں لگاؤں، یہ دونوں اونٹنیاں میں نے ایک دن ایک انصاری کے دروازے پر باندھ دی تھیں، اسی گھر میں شراب پینے کی محفل جمی ہوئی تھی (چچا) حمزہ بن عبد المطلب (بھی) وہاں شراب پی رہے تھے، ایک گانے والی باندی بھی تھی، اُس نے گاتے ہوئے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو اشعار میں خطاب کیا، اور اس طرف توجہ دلائی کہ باہر جو اونٹنیاں کھڑی ہیں اُس کے عمدہ گوشت کے حصّے کاٹ کر لے آئیں، یہ نشے میں تو تھے ہی، تلوار لی اور اُن کے کوہان کاٹ ڈالے، اور کوکھیں چیر کر ان کی کلیجیاں نکال لیں، میں نے آکر دیکھا تو آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں، میں نے کہا یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حمزہ بن عبد المطلب نے کیا ہے، جو چند انصاریوں کے ساتھ اس گھر میں شراب پی رہے ہیں، میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا، آپؐ نے میرا چہرہ دیکھ کر رنج و غم کے آثار محسوس کرلئے اور فرمایا تمھیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا، آج جیسا بڑا افسوسناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، حمزہؓ نے میری دونوں اونٹنیوں پر حملے کر کے ان کے کوہان کاٹ ڈالے، اور اُن کی کوکھیں (کلیجی نکالنے کے لئے) تلوار سے کاٹ ڈالیں، اور وہ یہاں ایک گھر میں چند شراب پینے والوں کے ساتھ موجود ہیں، پس آپؐ نے اپنی چادر طلب فرمائی اور چادر اوڑھ کر روانہ ہوگئے میں اور زید بن حارثہؓ ساتھ ساتھ چلے، یہاں تک کہ اس گھر میں آگئے جس میں حمزہؓ موجود تھے، آپؐ نے اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی، حاضرین نے آپؐ کو اجازت دیدی، آپؐ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ لوگ شراب پینے میں مشغول ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حمزہؓ پر غصہ ہوئے، اور اُن کے اس فعل پر ملامت فرمانے لگے، جو انھوں نے اونٹنیوں کے ساتھ کیا تھا، حمزہ نشہ میں تھے، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، انھوں نے تین بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نظر ڈالی، پہلی بار گھٹنوں تک، دوسری بار ناف تک اور تیسری بار چہرۂ انور تک نظر دوڑائی، پھر کہا کہ تم لوگ میرے باپ کے غلام ہی تو ہو، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ نشے میں ہیں تو اُلٹے پاؤں واپس ہوگئے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ واپس آگئے، یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے، [1]

---

[1] صحیح بخاری، ص ۳۲۰ ج ۱ باب بیع الحطب والکلاء، و ص ۴۳۵ ج ۱ باب فرض الخمس و ص ۵۷۱ ج ۲

گانے والی عورت نے جو اشعار پڑھے تھے جن سے متاثر ہو کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹنیوں پر حملہ کر دیا وہ یہ ہیں:۔

أَلَا يَا حَمْزُ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ ؛ وَهُنَّ مُعَقَّلَاتٌ بِالْفِنَاءِ

"ارے حمزہ (اُٹھ) موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف اور وہ بندھی ہوئی ہیں گھر سے باہر میدان میں"

ضَعِ السِّكِّينَ فِي اللَّبَّاتِ مِنْهَا ؛ وَضَرِّجْهُنَّ حَمْزَةُ بِالدِّمَاءِ

"رکھ دے چھری اُن کے گلے پر اور اُن کو لے حمزہ خون میں لت پت کر دے....."

وَعَجِّلْ مِنْ أَطَايِبِهَا لِشَرْبٍ ؛ قَدِيدًا مِنْ طَبِيخٍ أَوْ شِوَاءِ

"اور ان کا اچھا اچھا گوشت شراب پینے والوں کے لئے جلدی لے آ، بوٹیاں پکائی گئی ہوں، یا بھونا ہوا ہو"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں کہ معجم الشعراء میں مرزبانی نے لکھا کہ یہ اشعار عبداللہ بن السائب مخزومی کے ہیں، پھر یہ اشکال کیا ہے کہ روایت

لہ یا حمز، ہو منادی مرخم، والشرف، جمع شارف وہی المسنۃ من النوق، والنواء بکسر النون جمع ناویۃ وہی السمینۃ صفۃ للشرف، معقلات مشدودات بالعقال، والفناء المکان المتسع امام الدار، واللبات جمع لبۃ وہی المنحر، وضرج امر من التضریج بالضاد والجیم ہو التدمیۃ وحمزۃ منادی بحذف حرف النداء ای یا حمزۃ، من اطائبہا جمع اطیب، واطائب الجزور عند العرب السنام والکبد والشرب بفتح الشین وسکون الراء ہو الجماعۃ یشربون الخمر والقدیر (بالراء) المطبوخ فی القدر ۱۲ عمدۃ القاری وفی الفتح القدید اللحم (بالدالین) المطبوخ (فکانہ روی بالدال فی آخر الکلمۃ والراء ایضًا) وحکی المرزبانی فی معجم الشعراء ان ہذا الشعر لعبداللہ بن السائب المخزومی لکنہ لیس من الانصار وکان قائل ذلک اطلقہ علیہم بالمعنی الاعم واراد الذی نظم ہذا الشعر وامر القینۃ ان تغنی بہ ان یبعث ہمۃ حمزۃ لما عرف من کرمہ علی نحر الناقتین لیاکلوا من لحمہا وکانہ قال انہض الی الشرف فانحرہا اھ ۱۲

میں تصریح ہے کہ اُس وقت جو لوگ شراب پینے والے موجود تھے وہ انصار تھے، اور عبداللہ ابن السائبؓ انصاری نہیں ہیں، پھر اس کا جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ تمام حاضرین پر لفظ انصار کا اطلاق بالمعنی الاعم یعنی بطور تغلیبؒ کر دیا ہو،

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ جس نے یہ شعر منظوم کئے اور گانے والی سے کہا کہ ان کو گا، اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت حمزہؓ کے اندر اونٹنیوں کے کاٹنے کا جوش پیدا ہو جائے، تاکہ سب حاضرین اُن کا گوشت کھالیں، حضرت حمزہؓ کی سخاوت پہلے سے معلوم و معروف تھی، اُن کو اشعار میں خطاب کرکے اس طرف متوجہ کیا، کہ اونٹنیاں کاٹ ڈالیں،

حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت حمزہؓ کا یہ واقعہ شراب حرام ہونے سے پہلے کا ہے، اہلِ عرب شراب کے بہت دل دادہ تھے، قبولِ اسلام کے بعد اُن سے شراب فوراً نہیں چھڑائی گئی، بلکہ تدریجاً اس کے بارے میں احکام نازل ہوئے، پہلے تو فرمایا کہ :-

فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ،	"شراب اور جوئے میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں، اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں"

پھر اُس کے بعد کچھ لوگ پیتے تھے، کچھ لوگ پرہیز کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجلس میں شراب پینے کے بعد نماز پڑھائی، جو مغرب کی نماز تھی، تو سورۂ کافرون میں وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دیا، جس سے معنی ہی بدل گئے اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى ط	"اے ایمان والو! تم نماز کے پاس ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشے میں ہو"

اس فرمان سے اوقاتِ نماز میں شراب پینا ممنوع ہو گیا (ترمذی) پھر کچھ روز کے بعد شراب بالکل حرام قرار دیدی گئی، سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا	"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب

الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۰ (۹۰-۹۱)	اور جُوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر، یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جُوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آؤ گے؟"

ان آیات میں اوّل تو شراب اور جُوے کو بُتوں کے ساتھ ذکر فرمایا، جس سے شراب اور جُوے کی مذمت پوری طرح بیان ہوگئی، پھر فرمایا کہ یہ چیزیں ناپاک ہیں، تیسرے اُن کو عمل شیطان (شیطان کا کام) بتایا، چوتھے فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ ان سے بچو، پانچویں بچنے کا فائدہ بتایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کو فلاح ہو، چھٹے یہ فرمایا کہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جُوے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بُغض واقع کردے، ساتویں یہ فرمایا کہ شیطان تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (سو اب بھی باز آؤ گے) یہ سُنکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا (ہم باز آگئے، ہم باز آگئے) (کما اخرج الترمذی)

دیکھئے کتنی طرح سے شراب کی مذمت بیان کرکے اس کے پینے کی ممانعت فرمائی، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں تو شراب کے اتنے دلدادہ تھے کہ گویا شراب اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو فوراً شرابیں پھینک دیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:۔

لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ (مشکوٰۃ، ص ۵۹)	"یعنی شراب مت پی، کیونکہ وہ ہر گناہ کی کنجی ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے:

اِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ (مشکوٰۃ ۳۱۸)	کہ شراب ہر گناہ کی جڑ ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ (مشکوٰۃ ص۴۴۹)	کہ شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے، بیشک اللہ نے اپنے ذمہ عہد کر لیا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پیئے گا اللہ اس کو طِیْنَۃُ الْخَبَالِ سے پلائے گا، صحابہؓ نے عرض کیا طِیْنَۃُ الْخَبَالِ کیا ہے؟ فرمایا دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ (صحیح مسلم)

حضرت حمزہؓ کے مذکورہ قصہ میں یہ بات بالتصریح مذکور ہے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے جب تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، اس میں جو دیگر سوال و جواب پیدا ہوتے ہیں ان سب کا یہی جواب ہے کہ اس وقت احکام نازل نہیں ہوئے تھے، گانے والی سے گانا سننا بھی اسی ذیل کی بات ہے، جب بعد میں احکام نازل ہوئے تو پردہ کا حکم نازل ہوگیا، عورت سے اختلاط اور گانا بجانا حرام قرار دیدیا گیا،

یَا لَیْلَۃً مِنْ طُوْلِھَا وَعَنَائِھَا (۱۶) عَلٰی اَنَّھَا مِنْ دَارَۃِ الْکُفْرِ نَجَّتِ

ترجمہ: "ہائے یہ رات اپنی درازی اور مشقت کے اعتبار سے کیسی رات ہے، مگر اسی نے مجھے دار الکفر سے نجات دی"۔ (صحیح بخاری، ص ۳۴۳، ج ۱ باب اذا قال لعبدہٖ ہو للہ وص ۶۰۳ ج ۲ باب قصہ دوس)

شرح یہ شعر حضرت ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سفر میں پڑھا تھا، جبکہ اپنے وطن یمن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے روانہ ہوئے تھے،

آپ قبیلہ دوس کے ایک فرد تھے، پہلے حضرت طفیل بن عامر دوسی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، ان کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے قبیلہ میں واپس بھیجا، انھوں نے وہاں جا کر تبلیغ کی، لیکن وہ لوگ مسلمان نہ ہوئے، انھوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! قبیلہ دوس ہلاک ہوگیا (یعنی اس قبیلہ نے

دعوتِ اسلام قبول نہ کرکے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا، اور آپ کی نافرمانی کی اور حق ماننے سے انکاری ہوگئے، آپؐ اس کے لئے بد دعاء فرمادیں، آپؐ نے بد دعاء کی بجائے ان کے حق میں دعاء فرمائی، اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ،	"اے اللہ دوس کو ہدایت دے، اور ان کو یہاں پہونچادے"

اس دعاء کے بعد پھر طفیل بن عامرؓ اپنی قوم کے پاس گئے، اور ان کو اللہ کی طرف بلایا، اس بار انھوں نے دعوت قبول کی، اور ستر یا اسّی گھرانے اسلام قبول کرکے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوگئے، ۵۱

قبیلہ دوس یمن میں رہتا تھا سفر اچھا خاصا لمبا تھا، یہ لوگ اوّل تو مدینہ منورہ پہنچے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ خیبر تشریف لیگئے ہیں، ان لوگوں سے صبر نہ ہوسکا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر جاکر حاضر ہوگئے، جو مدینہ منورہ سے سو میل کے لگ بھگ ہے، حضرت ابوہریرہؓ بھی یمن سے آتے تھے، اور قبیلہ دوس کے ایک فرد تھے، یہ بھی خیبر جاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، بخاری شریف میں ہے کہ ان کے ساتھ سفر میں ایک غلام تھا، دونوں ایک دوسرے سے بھٹک گئے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے انھوں نے آپؐ سے بیعتِ اسلام کی، اور اپنے غلام کے گم ہوجانے کی خبر دی، ابھی آپؐ کی خدمت میں بیٹھے ہی تھے کہ اچانک غلام بھی پہنچ گیا،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ یہ تمھارا غلام ہے، انھوں نے کہا یہ بس اللہ کے لئے ہے، یعنی میں نے اس کو آزاد کردیا[۵۲]، رستہ میں چونکہ بہت تکلیف پہنچی تھی، اور غلام بھی گم ہوگیا تھا، اس لئے رستہ ہی میں یہ شعر پڑھا، جو مع ترجمہ اوپر مذکور ہے، مطلب اس شعر کا یہ ہے کہ یہ رات کیسی کٹھن ہے جس کی درازی بہت زیادہ ہے، یعنی بہت

---

۵۱ صحیح بخاری مع حاشیہ، صفحہ ۶۳ ج ۲، ۵۲ صحیح بخاری، صفحہ ۳۴۳ ج ۱ و صفحہ ۶۳ ج ۲،

بلی چلے جارہی ہے، کاٹے نہیں کٹتی، اور اس سفر میں مشقت اور تکلیف بھی بہت ہے، رات گو بہت کٹھن ہی مگر اسی رات نے مجھے دارالکفر سے نجات دی،

یہ شعر بظاہر حضرت ابو ہریرہؓ کا معلوم ہوتا ہے، لیکن چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ شعر کہنے میں مشہور نہیں ہیں اس لئے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اُن کے غلام کا شعر ہے، علامہ عینیؒ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ فاکہی نے لکھا ہے کہ یہ شعر ابو مرثد غنوی کا ہے، اگر یہ درست ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس موقع پر دوسرے کا شعر پڑھا تھا،

حضرت ابو ہریرہؓ کا نام اسلام لانے سے پہلے کیا تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہے، محدث حاکم رحمہ اللہ نے مختلف روایات جمع کی ہیں، جن سے حضرت ابو ہریرہؓ کے متعدد ناموں کا پتہ چلتا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کا نام کیا تھا! اس میں بھی دو قول ہیں، ایک یہ کہ اُن کا نام عبداللہ تھا، دوسرا یہ کہ اُن کا نام عبدالرحمن تھا، امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ کسی نے ان کا نام عبد شمس بتایا ہے، اور کسی نے عبداللہ بن عمر لکھا ہے، آخری قول کو امام بخاریؒ کی طرف منسوب کیا ہے، اور پھر یہ کہا ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے، لیکن دیگر محدثین کا فرمانا ہے کہ اسلام میں اُن کا نام عبدالرحمن تھا، محدث حاکم نے خود ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ میرا نام جاہلیت میں عبد شمس بن صخر تھا، پھر اسلام میں میرا نام عبدالرحمن رکھا گیا،

"ابو ہریرہ" کا ترجمہ ہے "چھوٹی سی بلی والا" ان کی یہ کنیت کس وجہ سے پڑی؟ اس کے بارے میں محدث حاکم نے خود اُن سے یہ نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چراتا تھا، مجھے ایک جنگلی بلی کے بچے مل گئے، میں نے اُن کو اٹھا کر آستین میں رکھ لیا، جب گھر آیا تو ان لوگوں نے بلی کے بچوں کی آوازیں سُنیں، کہنے لگے یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ بلی کے بچے مجھے ملے ہیں، اس پر انھوں نے کہا تو "ابو ہریرہ" ہے، اس کے بعد سے یہ کنیت میرے ساتھ لگ گئی[1] (اور ایسی لگی کہ اصل نام تو بھول بھلیاں ہو گیا اور اس کی تعیین میں بہت سے اقوال ہو گئے اور کنیت ہی زیادہ مشہور ہو گئی)۔

---

[1] مستدرک حاکم، ص ۵۰۶ ج ۳،

سننِ ترمذی میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رافعؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ کی کنیت "ابوہریرہ" کس طرح شروع ہوئی؟ انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اور میری ایک چھوٹی سی بلی تھی، اس کو رات کو درخت پر بٹھادیتا تھا، اور جب دن ہوتا تھا تو میں بکریاں جنگل کی طرف لے جاتا اور بلی کو بھی ساتھ لے جاتا جس سے کھیلتا رہتا تھا، اسی وجہ سے لوگ مجھے "ابوہریرہ" کہنے لگے،[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چار سال کے لگ بھگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، سفر اور حضر میں ساتھ رہتے تھے، بھوکے پیاسے اصحابِ صُفّہ کے چبوترے پر پڑے رہتے تھے، اور مقصود صرف یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد کریں، کوئی دوسرا شغل مال کمانے کا بلکہ معمولی روزی حاصل کرنے کا بھی اختیار نہیں کیا، سخت بھوک میں بھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا در چھوڑ کر کمانے کی طرف توجہ نہ کی اسی وجہ سے صحابہؓ میں سب سے بڑے حافظِ حدیث اور راویِ حدیث ہوئے اُن کی روایات سب سے زیادہ ہیں، حدیث کی کسی بھی کتاب کا کوئی بھی صفحہ کھولو تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کی روایت کی ہوئی کوئی نہ کوئی حدیث ضرور ملے گی، شاذونادر ہی اس کے خلاف ہوگا ان کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ۵۳۷۴ ہیں جس کو اس شعر میں اس طرح واضح کیا گیا ہے ؎

کن حدیثِ بوھریرہ را شمار ؛ پنج الف و سہ صد و ہفتاد و چار

بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اُن سے روایت کی ہے، محدث حاکم نے اٹھائیس ۲۸ صحابۂ کرامؓ کے اسماءِ گرامی لکھے ہیں، جنھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، حضرت امام بخاریؒ کا قول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والوں کی تعداد آٹھ سو ۸۰۰ سے زیادہ ہے، جن میں صحابہ بھی ہیں اور تابعین بھی،[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالکل بے تکلف اور بے دھڑک احادیث بیان کرتے

---

[1] سننِ ترمذی مناقب ابی ہریرہؓ ۱۲

[2] الاکمال لصاحب المشکوٰۃ ۱۲

چلے جاتے تھے، بعض مرتبہ کچھ لوگوں کو تردّد ہوا کہ یہ اس قدر روایات بیان کرتے ہیں، حالانکہ اتنے پُرانے صحابی نہیں ہیں، حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو فرمایا کہ "تم کہتے ہو ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت روایات بیان کر دیں، حالانکہ سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے، (وہاں سب کا جھوٹ سچ ظاہر ہو جائے گا) بھلا مجھے غلط بات کہنے اور جھوٹی روایت بیان کرنے سے کیا نفع ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ بلاشبہ میرے مہاجر بھائی بازاروں میں مشغول رہتے تھے، (اور کاروبار کرنے کی وجہ سے ہر وقت بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے کا اُن کو موقع نہیں ملتا تھا) اور میرے انصاری بھائی اپنے مالوں سے متعلقہ کاموں میں لگے رہتے تھے[1] (ان کو بھی ہمہ وقت حاضری کا موقعہ نہ ملتا تھا) اور میں ایک مسکین آدمی تھا، ہر وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا، میری حاجت صرف اتنی سی تھی کہ پیٹ بھر جائے، (لہٰذا ہر وقت کی حاضری کی وجہ سے میں نے بہت زیادہ حالات کا مشاہدہ کیا، اور بہت زیادہ ارشادات سُنے) اور ایک دن ایسا ہوا کہ آنحضرت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بات کہنے والا ہوں تم میں سے جو شخص بھی اپنا کپڑا بچھا دے اور میری بات ختم ہونے تک بچھائے رکھے، پھر اپنے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگا دے، تو اس کے بعد میری باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں بھولیگا آپؐ کے ارشاد پر میں نے ایک چادر بچھا دی، اس وقت میرے بدن پر اُس کے سوا اور کوئی کپڑا نہ تھا، آپؐ کی بات ختم ہونے تک میں نے وہ چادر بچھائے رکھی، پھر اُس کو اپنے سینہ سے لگائی، پس قسم ہے اُس ذات کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے، میں آپکے اس ارشاد کے سبب آج تک آپؐ کی باتوں میں سے کچھ بھی نہیں بھولا،[2]

یہ واقعہ بتا کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کثیر الروایہ ہونے کا سبب بتا دیا اور ساتھ قوی الحفظ ہونے کی وجہ بھی بتا دی،

---

[1] حضرات انصارؓ کی مشغولیتیں کھیتی باڑی سے متعلق تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح ہے ۱۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۳۵ از بخاری ومسلم باب فی المعجزات ۱۲

ایک شخص نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ تو ارشاد فرمایئے کہ یہ یمن کا رہنے والا آدمی (ابو ہریرہؓ) کیا آپ حضرات سے زیادہ حدیثیں جانتا ہے؟ (ہم اس سے بہت سی ایسی روایات سنتے ہیں جو آپ حضرات سے نہیں سنتے، خدانخواستہ) ایسا تو نہیں کہ یہ شخص وہ باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہو جو آپؐ نے نہ فرمائی ہوں، [۱]

یہ سُنکر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو ہریرہؓ نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ وہ سُنا جو ہم نے نہیں سُنا اور اُن کے علم میں وہ چیزیں آئیں جو ہمارے علم میں نہ آئیں، ہم لوگ مالدار تھے، اور گھر بار والے تھے صبح شام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، پھر واپس آجاتے تھے، رہے ابو ہریرہؓ، تو وہ مسکین آدمی تھے، نہ اُن کے پاس کچھ تھا، اور نہ اہل وعیال والے تھے، ان کا ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ تھا، (یعنی آپؐ کھانا تناول فرماتے تو ابو ہریرہؓ کو بھی مل جاتا تھا)، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (سفر وحضر میں) جہاں تشریف لے جاتے یہ بھی ساتھ ہو لیتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو وہ علوم حاصل ہوئے جو ہم کو حاصل نہ ہو سکے، اور انھوں نے وہ باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنیں جو ہم نے نہیں سُنیں، اُن کو ہم میں سے کسی نے تہمت نہیں لگائی، کہ (خدانخواستہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ نہ فرمایا وہ ابو ہریرہؓ نے آپ کی طرف نسبت کر دی ہو، [۱]

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ ابو ہریرہؓ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، (خدانخواستہ اس میں کوئی شک کی بات تو نہیں ہے؟) حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ، تو اس میں مت پڑ، کہ ابو ہریرہؓ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ حدیث نبوی ہے یا نہیں؟ بات یہ ہے کہ وہ (اپنے حافظہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے) بیان کرنے میں بہت جری ہیں، اور ہم لوگ جرأت نہیں کرتے [۵۲]

---

[۵۱] مستدرک حاکم، ص ۵۱۲، ج ۳، ذکر ابی ہریرۃ الدوسیؓ، واخرج نحوہ الترمذی، ۱۲

[۵۲] مستدرک، ص ۵۱۰ ج ۳،

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ ابوہریرہؓ سوال کرنے میں جری تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیزیں پوچھ لیتے جو ہم نہیں پوچھ سکتے تھے[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ آپ ہم میں سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہنے والے اور آپؐ کے ارشاداتِ نبویہؐ کو ہم میں سب سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھوکا رہنے کے بہت واقعات ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنا وہ وقت یاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان بیہوشی کی حالت میں گرجاتا تھا، آنے والے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی ہے (اس زمانہ میں گردن پر پاؤں رکھنا مرگی کا علاج سمجھا جاتا تھا) حالانکہ میں صرف بھوک کی تکلیف سے غشی میں ہوتا تھا[3]

ایک مرتبہ کا واقعہ ذکر فرماتے تھے کہ میں نے تین دن تک کچھ نہ کھایا، صفہ کے پاس آنا چاہتا تھا تو گر پڑتا تھا، لڑکے میرا یہ حال دیکھ کر کہنے لگے کہ ابوہریرہؓ دیوانے ہوگئے، میں نے کہا میں دیوانہ نہیں ہوں، تم دیوانے ہو[4]

بات یہ ہے کہ جس چیز کی بھی کسی کو دُھن ہوجائے اس کو اپنی آرزو کی تکمیل میں بہت بہت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں، حقیر دنیا کے لئے لوگ کیا کیا کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دُھن کیسی مبارک تھی، اللہ جل شانہٗ نے اُن کو یہی دُھن لگادی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جُدا نہ ہوں، اور آپؐ کے ارشادات یاد کرتا رہوں، یہی دل کی حسرت تھی، اور یہی آرزو تھی، بہت تکلیف اٹھائی، تب ہی تو سب صحابہؓ سے بڑھ کر

---

[1] مستدرک، ص ۵۱۰ ج ۳ [2] سنن ترمذی مناقب ابی ہریرہؓ، ۱۲

[3] اخرجہ الترمذی وصححہ، ۱۲

[4] قال المنذری فی الترغیب رواہ ابن حبان فی صحیحہ ۱۲

حافظِ حدیث ہوئے اور راویِ حدیث ہوئے،

صحیح مسلم میں حضرت یحیٰ ابن ابی کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ :-

لَا یُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ،[۱] "یعنی جسم کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

درحقیقت حضرت یحیٰ بن ابی کثیر نے سچ فرمایا، آجکل کے طلبہ اس سے عبرت لیں،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ۵۸ھ یا ۵۹ھ یا ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اس وقت اُن کی عمر ۷۸ سال تھی، اُن کے سنہ وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں[۲]

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ ⑰ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

ترجمہ: "تو ہے کیا ایک انگلی کے سوا جو زخمی ہوگئی، اور اللہ کی راہ میں ہے یہ زخم جو تجھے پہونچا۔ (صحیح بخاری، ص ۳۹۲ ج ۱ باب من ینکب او یطعن فی سبیل اللہ (ص ۹۰۸ ج ۲ باب ما یجوز من الرجز والشعر)

شرح ایک مرتبہ کسی جہاد کے موقع پر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک انگلی میں زخم آگیا تھا، آپ نے اس موقع پر یہ شعر پڑھا،

حاشیہ بخاری میں کرمانی اور الخیر الجاری سے نقل کیا ہے کہ انگلی مبارک میں جب درد محسوس ہوا تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہی تو ہے، تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں پہنچی، تو ہلاک نہیں ہوئی کاٹی نہیں گئی، ذرا سی تکلیف ہی، صبر کر، اوّل تو تکلیف ہی تھوڑی سی ہے، پھر جو کچھ تکلیف ہے اللہ کے راستہ میں پیش آئی ہے، جس کا بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا، بہرحال صبر لازم ہے،

یہ کلام آپؐ نے بطور استعارہ فرمایا، کہ مقصود اپنے نفس سے خطاب کرنا تھا، لیکن مخاطب انگلی کو بنا دیا، کیونکہ تکلیف اسی میں محسوس ہو رہی تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ

---

[۱] صحیح مسلم، ص ۲۲۳ ج ۱ (باب اوقات الصلوٰۃ الخمس) ۱۲ [۲] از مستدرک ۱۲

بطورِ معجزہ انگلی سے حقیقۃً کلام اور خطاب ہوا ہو، جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ جل شانہ نے انگلی کو لائقِ خطاب بنا دیا، اور اس کو فہم ادراک سے نواز دیا، واللہ اعلم،

شعر گوئی کے قصد کے بغیر یہ شعر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکل گیا، یا یہ کسی دوسرے شخص کا شعر ہے، جو آپؐ نے اس موقع پر پڑھا، اس میں دونوں رائیں ہیں، لیکن ابن ابی الدنیا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جو غزوۂ موتہ کے وقت انھوں نے پڑھا تھا،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۸ھ میں ایک جماعت شام میں جہاد کرنے کے لئے بھیجی تھی، جس کا مقابلہ دشمنوں سے مقامِ موتہ میں ہوا، یہ جگہ بلقاء سے قریب تھی، اس جماعت کا امیر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضؓ کو بنا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے، اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ امیر ہوں گے،

چنانچہ اسی ترتیب سے یہ حضرات جھنڈا لیتے رہے، اور تینوں اپنے اپنے نمبر پر شہید ہوئے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا لیا، اور اللہ پاک نے فتح نصیب فرمائی، جب حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھنڈا لیا تو مذکورہ بالا شعر اور اس کے ساتھ مزید دو شعر پڑھے، جو ذیل میں درج ہیں؛

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ ٭ وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ

"نہیں ہے تو مگر ایک انگلی جو زخمی ہو گئی، اور اللہ کی راہ میں ہی وہ زخم جو تجھے پہنچ گیا"

يَا نَفْسُ إِنْ لَا تُقْتَلِي تَمُوتِي ٭ هَذِي حِيَاضُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

"اے نفس! اگر تو مقتول نہ ہوا (اپنی موت ضرور) مرے گا. یہ موت کے حوض ہیں، جن میں تو داخل ہو چکا ہے"

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ لَقِيتِ ٭ إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

"اور تو نے جو (شہادت کی) آرزو کی تھی اس کو پالیا (یعنی اس کا موقع آگیا) اگر تو ان دونوں (یعنی زیدؓ، جعفرؓ) جیسا کام کرے (یعنی راہِ خدا میں جان دیدے) تو ہدایت پاجائے گا"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر جس میں انگلی سے خطاب کیا گیا ہے حضرت ولید بن الولیدؓ یا عباس بن ربیعہؓ کا ہے، اگر ایسا ہو تو ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اُن کے ایک شعر کے ساتھ اپنے دو شعر ملا کر نفس کو خطاب کیا ہو، واللہ اعلم،

(فتح الباری باب ما یجوز من الشعر والرجز)

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ ﴿۱۸﴾ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

ترجمہ: "اے اللہ زندگی بس آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو بخش دے مہاجرین کو اور انصار کو"

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا ﴿۱۹﴾ عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

ترجمہ: "ہم ہیں جنھوں نے بیعت کی ہے محمد علیہ السلام سے جب تک کہ ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے" (بخاری، ص ۳۹۷ ج ۱ باب التحریض علی القتال، و ص ۳۹۸ ج ۱، و ص ۴۱۵ ج ۱ و ص ۵۸۸ ج ۲ و ص ۱۰۶۹ ج ۲)

شرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے، تو یہاں بھی مشرکینِ مکہ نے چین نہ لینے دیا، بدر اور اُحد کی جنگ کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، بات یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قبیلۂ بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا، یہ لوگ خیبر جاکر آباد ہوگئے تھے، اُن کے چند سردار مشرکینِ مکہ کے پاس گئے، اور اُن کو اُبھارا کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرو، ہم تمھارا ساتھ دیں گے، اسی طرح قبیلۂ غطفان کو بھی آمادہ کیا، اور بنو اسد اور یہود کا قبیلہ بنو قریظہ بھی اُن کے ساتھ ہوگیا، جو اب تک مدینہ میں رہتا تھا، ان سب نے یہ مشورہ کیا کہ مدینہ پر چڑھائی کرکے سب مسلمانوں کو ختم کردیا جائے، تاکہ اُن میں سے کوئی فرد بھی نہ بچے، اور ان کا دین ختم ہوجائے،

یہ واقعہ ۴ھ یا ۵ھ کا ہے، امام بخاریؒ نے اول کو اور ابن اسحاق نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے، اور فتح الباری میں دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، چونکہ ہر طرف سے مختلف جماعتیں چڑھ کر آئی تھیں، اور سب جنگ میں شریک ہونے کے خیال سے آئے تھے، اس لئے

اس کو "غزوۂ احزاب" بھی کہتے ہیں، احزاب حزب کی جمع ہے، "غزوۂ احزاب" کا ترجمہ ہے بہت سی جماعتوں کی جنگ، اور اس کو "غزوۂ خندق" اس لئے کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات مہاجرین و انصار سے دفاع کے سلسلہ میں مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب دشمن کے گھیراؤ میں آنے کا اندیشہ ہو تو ایک خندق کھود لیتے ہیں، تاکہ دشمن پار کر کے نہ آسکیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ مشورہ پسند آیا اور خندق کھودنے کا حکم دیا، نوکر چاکر اور غلام تو تھے نہیں جن سے کام لیتے، حضرات مہاجرین و انصار سب ہی کھودنے میں مشغول تھے، خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بہ نفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، یہ سردی کا زمانہ تھا، اور کھانے پینے کا بھی خاص انتظام نہ تھا، تھوڑے سے جَو بدبو والی چربی میں پکا کر سامنے رکھ دیئے جاتے تھے، وہی کھا لیتے تھے جس کا حلق سے اُترنا دشوار ہوتا تھا، ہر دس افراد کو چالیس[۱] ہاتھ خندق کھودنے کو دی گئی تھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قوی اور مضبوط آدمی تھے، اُن کے بارے میں انصار کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل کر کھودیں، اور مہاجر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل کر کھودیں، ہر فریق کہتا تھا کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے گھر والوں میں سے ہیں[۲]، خندق کھودتے وقت ایک ایسی سخت جگہ آئی کہ کسی سے بھی وہاں کھدائی نہ ہوسکی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا میں اندر اُترتا ہوں، آپ نے اُتر کر جو کدال مارا تو وہ سخت حصہ ریت کا ڈھیر بن کر رہ گیا، اس وقت آپ کے شکمِ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اور تین روز سے کسی نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا[۳]،

بعض روایات میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار بسم اللہ پڑھ کر

---

[۱] جمع الفوائد میں طبرانی سے یہی نقل کیا ہے کہ ہر دس افراد کو چالیس ہاتھ کھودنے کو دی گئی تھی، لیکن فتح الباری میں ہے کہ ہر دس افراد کو دس ہاتھ کھودنے کو دی گئی تھی، واللہ اعلم عند اللہ، ۱۲

[۲] از بخاری و جمع الفوائد و فتح الباری ۱۲ [۳] صحیح بخاری ۱۲

کدال مارا، اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق میں

کدال مارا، پھر یہ پڑھا ؎

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهٖ بَدَيْنَا ؛ وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهٗ شَقِيْنَا
فَحَبَّذَا رَبًّا وَّحَبَّ دِيْنًا ط

"ہم نے اللہ کے نام اور اس کی مدد سے ابتدا کی اور اگر ہم اس کے علاوہ کسی کی عبادت

کریں تو بدبخت ہو جائیں، پس بہت ہی اچھا رب ہے اور بہت ہی اچھا دین ہے"

احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

بیان فرمایا کہ جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا

تو (کھودتے ہوئے) خندق کے ایک حصہ میں ایک ایسا پتھر آ گیا جس میں کدال کام نہیں کر رہے

تھے، (اور ایک روایت میں ہے کہ سفید پتھر پیش آ گیا جس نے ہمارے کدال توڑ دیئے، لہٰذا

ہم نے سوچا کہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں، لیکن پھر خیال آیا کہ بارگاہِ رسالت میں عرض

کرنا چاہیئے) لہٰذا ہم نے بارگاہِ رسالت میں (بواسطہ حضرت سلمانؓ) اس کے بارے میں

عرض کیا، آپؐ نے بسم اللہ پڑھکر کدال مارا تو اس میں سے روشنی چمکی، اور وہ پتھر ⅓ ٹوٹ

گیا، آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ملکِ

شام کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں اس کے سرخ محل اسی وقت دیکھ رہا ہوں،

مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی ہے کہ ملکِ شام پر میری اُمّت کا غلبہ ہوگا،

پھر آپؐ نے دوسری بار کدال مارا تو وہ پتھر مزید ⅓ ٹوٹ گیا، آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا

کہ مجھے ملکِ فارس کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں

پھر تیسری بار کدال مارا تو باقی ⅓ پتھر بھی ٹوٹ گیا، آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا

کہ مجھے ملکِ یمن کی کنجیاں دیدی گئیں، اللہ کی قسم! میں ابھی صنعاء شہر کے دروازے

اسی وقت اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں [1]

---

[1] فتح الباری ۱۲

آپؐ کو کنجیاں دیئے جانے کا مطلب یہی تھا کہ آپؐ کی اُمت اُن شہروں اور ملکوں کو فتح کرے گی اور وہاں کے خزانے ان کے ہاتھ آئیں گے، والحمد للہ کہ پیشگوئی پوری ہوئی، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں مرتبہ کدال مارنے سے آگ کا شرارہ نکلا، اور آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس کی روشنی میں فارس اور روم و شام کے محل نظر آئے، اسی پیشین گوئی کے بارے میں منافقین نے کہا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول نے بس دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے[۱]،

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خندق میں اُتر کر وہ پتھر توڑا جو کسی سے نہ ٹوٹ سکا اس وقت بھوک کا یہ عالم تھا کہ تین دن سے آپؐ نے اور آپؐ کے ساتھیوں نے کچھ نہ کھایا پیا تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے، اُن سے بھوک کی یہ حالت دیکھ کر نہ رہا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر گئے، بیوی سے کہا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا کر تیرے پاس کچھ ہے؟ یہ سن کر بیوی نے ایک تھیلی نکالی، جس میں ایک صاع (ساڑھے تین سیر) جَو تھے، اور گھر میں بکری کا ایک بچّہ تھا، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے جَو پیسے اور میں نے وہ بچّہ ذبح کیا، اور بوٹیاں کر کے تین پتھروں کا چولھا بنا کر ہانڈی میں چڑھا دیا، جب بوٹیاں گلنے کے قریب ہوگئیں، اور آٹا گوندھے جانیکے بعد پکنے کے لائق ہوگیا، تو میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا، بیوی نے کہا کہ کہیں ایسا مت کرنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپؐ کے (سب یا اکثر) ساتھیوں کو لے کر آؤ، اور (کھانا کم پڑنے کی وجہ سے) میری رُسوائی کراؤ،

میں بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا، اور چپکے سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہؐ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کر رکھا ہے، آپؐ اور آپؐ کے ساتھ چند آدمی چلے چلیں، آپؐ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورتِ حال عرض کر دی، آپؐ نے فرمایا (یہ تو) بہت ہے، (اور) فرمایا کہ بیوی سے جا کر کہہ دو جب تک میں نہ آؤں ہانڈی کو چولھے سے نہ اُتارے اور روٹی پکانا شروع

---

[۱] بیان القرآن ۱۲

نہ کرے، ساتھ ہی آپؐ نے اعلان فرمایا کہ اے خندق والو! جلدی سے چلو، جابر نے کھانا تیار کیا ہے، میں جلدی جلدی (سب سے آگے) گھر کی طرف چلا، اور بیوی سے کہا کہ وہ تو تمام حضرات مہاجرین وانصار اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمان سب ہی آگئے، اوّل تو بیوی بہت بگڑی، اور اُلٹا سیدھا کہا، پھر جب میں نے کہا کہ تو نے جو بات کہی تھی (کہ کھانا تھوڑا سا ہے) وہ میں نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کردی تھی، اس پر وہ کہنے لگی اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں، ہم نے تو بتا دیا جو کچھ ہمارے پاس ہے،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری بیوی نے ایسی بات کہدی جس سے میری بہت بڑی پریشانی دور ہوگئی (کیونکہ اس نے مجھے سمجھا دیا کہ جب ہم نے بتا دیا کہ تھوڑا سا کھانا ہے، اور پھر بھی آپؐ سب کو ساتھ لے آئے تو آپؐ جانیں ہمیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، بارہا تھوڑے کھانے میں بہت برکت ہوئی ہے آج بھی ہو سکتی ہے)۔

بیوی سے باتیں ہو ہی رہی تھیں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تشریف لے آئے، آپؐ آگے آگے چل رہے تھے، اور باقی حضرات پیچھے پیچھے آرہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ داخل ہو جاؤ، اور آپس میں تنگی نہ کرو، میری بیوی نے آپؐ کی خدمت میں آٹا پیش کر دیا، آپؐ نے اُس میں لعابِ مبارک ڈال دیا، اور برکت کی دُعا کی، پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی، اور اُس میں بھی لعابِ مبارک ڈال دیا، اور برکت کی دعاء کی، پھر فرمایا کہ تو اپنے ساتھ روٹی پکانے کے لئے ایک اور پکانے والی بُلا لے،

چنانچہ روٹی پکنی شروع ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روٹی توڑ توڑ کر اور اس پر گوشت رکھ رکھ کر اپنے صحابہؓ کو دیتے رہے، جب ہانڈی سے سالن اور تنور سے روٹی لیتے تھے تو اسی وقت ڈھانک دیتے تھے، بس آپؐ برابر روٹی توڑ توڑ کر اور سالن بھر بھر کر دیتے رہے، یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھا لیا، اور بہت کھانا بچ گیا، آپؐ نے (میری بیوی سے) فرمایا کہ اس کو کھاؤ اور (پڑوسیوں کو) ہدیہ بھیج دو، کیونکہ لوگ بھوک سے دوچار ہیں،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ ایک ہزار افراد کھا کر تشریف لے گئے، اور ہماری ہانڈی اُسی طرح جوش مار رہی تھی،

جیساکہ شروع میں تھی، اور ہمارا آٹا اسی طرح بکایا جارہا تھا، جیساکہ شروع میں تھا[۱] (یعنی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس میں سے کچھ خرچ نہیں ہوا)

اوّل تو سردی کا موسم پھر بھوک وپیاس سے دوچار اور اوپر سے سنگلاخ زمین کا کھودنا بڑا سخت مرحلہ تھا، مگر اس موقع پر بڑے صبر وضبط کے ساتھ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں لگے ہوتے تھے، اس موقع پر انکی محنت ومشقت اور بھوک کی حالت کو دیکھکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ پڑھتے تھے،

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ ؎ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

"اے اللہ بلاشبہ زندگی بس آخرت ہی کی ہے، پس تو بخشدے انصار اور مہاجرین کو"

اس شعر کے پڑھنے سے مقصود یہ تھا کہ حضرات صحابہؓ چندروزہ تکلیف کی وجہ سے بددل نہ ہوں اور آخرت کی کامیابی کو سامنے رکھ کر کام کرتے رہیں، اور اللہ پاک کی رحمت ومغفرت کے امیدوار رہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والا شعر پڑھتے تو حضرات انصار ومہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے جواب میں یہ پڑھتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ؎ عَلَی الْجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

"ہم ہیں جنھوں نے بیعت کی ہے، محمد علیہ السلام سے کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ جہاد کریں گے"

حضرات صحابہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شعر سن کر اس کے جواب میں باربار اپنے مؤمن اور مجاہد ہونے کا اعلان کرتے تھے، اور ظاہر کرتے تھے کہ یہ بات نہیں ہے، کہ صرف اسی وقت ہم دشمنوں کے دفاع اور ان سے جنگ کے لئے تیار ہیں بلکہ عمر بھر ہمیشہ جہاد کریں گے، اسلام قبول کرکے ہم ہمیشہ اسلام کی بقاء، اور احیاء کے لئے جہاد کرنے پر مضبوط ارادوں اور عزم محکم کے ساتھ تیار ہیں،

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے

---

[۱] صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق مع شرح فتح الباری ۱۲

مذکورہ بالا شعر پڑھتے تھے، پھر اُس کے جواب میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا الخ پڑھتے تھے، لیکن اُن کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرات مہاجرین اور انصار مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود رہے تھے اور اپنی کمروں پر مٹی ڈھو رہے تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ٭ عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن کے جواب میں یہ فرماتے تھے ؎

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَةِ ٭ فَبَارِكْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ بے شک بات یہی ہے کہ کوئی خیر نہیں سوائے آخرت کی خیر کے، پس تو برکت فرما دے مہاجرین میں اور انصار میں"۔ (بخاری، ص ۳۹۸ ج ۱)

درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ طرفین سے جواب اور جواب الجواب میں شعر پڑھے جا رہے تھے اور برابر عمل جاری تھا، اس لئے یہ کہنا بھی درست ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کے جواب میں پڑھا، اور یہ بھی درست ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کے جواب میں پڑھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فرماتے اور کبھی لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَةِ فرماتے تھے، اسی طرح دوسرے مصرع کے شروع میں کبھی فَاغْفِرْ فرمایا اور کبھی فَبَارِكْ فرمایا،

اسی طرح بعض نسخوں میں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے شعر نَحْنُ الَّذِیْنَ الخ کے دوسرے مصرع میں بجائے عَلَی الْجِهَاد کے عَلَی الْاِسْلَام وارد ہوا ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی یہ کہا ہو اور کبھی وہ کہا ہو، اور رُواۃ کی یادداشت کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے،

خندق کھودتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مذکورہ شعر کے علاوہ دوسرے اشعار پڑھنا بھی مروی ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر میں نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خندق کھود رہے ہیں اور آپ کا شکم انور مٹی سے اٹا ہوا ہے، اور آپ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اشعار پڑھ رہے ہیں ؎

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا ﴿۲۰﴾ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا ﴿۲۱﴾ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ﴿۲۲﴾ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

ترجمہ (۱) "اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے"

(۲) "پس آپ ہم پر سکینہ (یعنی قلبی سکون واطمینان) نازل فرمایئے، اور قدموں کو ثابت رکھئے، اگر (دشمن سے) ہماری مڈبھیڑ ہو جائے"

(۳) "بلاشبہ ان لوگوں (یعنی دشمنوں) نے ہم پر ظلم کیا ہے، جب یہ لوگ فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے" (آخری لفظ کو زیادہ بلند آواز سے بار بار فرماتے تھے، اَبَیْنَا اَبَیْنَا)

(صحیح بخاری، ص ۳۹۸ ج ۱، باب حفر الخندق، وص ۴۲۵ ج ۱ وص ۵۸۹ ج ۲ وص $\frac{۱۰۷}{۲۲}$)

شرح یہ مسلسل تین شعر ہیں، پہلے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لطیف انداز میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خدائے پاک کے شکر کی طرف متوجہ فرمایا، اور بتایا کہ ہدایت اللہ جلّ شانہٗ کا فضل وانعام ہے، وہ ہدایت نہ دے تو کوئی ہدایت نہیں پاسکتا، اللہ پاک کی مہربانی نہ ہو تو نہ کوئی مؤمن ہوسکتا ہے نہ صدقہ دے سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے، اس موقعہ پر اس مضمون کا احساس دلانا اس لئے ضروری تھا کہ حضرات صحابہؓ جو محنت اور مشقت مجاہدہ میں مبتلا تھے، اُن میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ جگہ نہ پکڑلے کہ ہم دُکھ تکلیف میں جو اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں اسلام پر کوئی احسان کر رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ ایمان کی ہدایت اور اس کے بعد دیگر اعمال کی ادائیگی یہ سب اللہ جل شانہٗ کا فضل وانعام ہے، کوئی شخص ایمان قبول کرنے یا اُس کے بعد اعمال اور مجاہدات میں لگنے کی وجہ سے خداوند قدوس پر یا اس کے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی طرح کا احسان نہ دھرے، بلکہ اللہ جلّ شانہٗ کا احسان مانے کہ اس نے ہدایت دی، اور اعمال کی توفیق سے نوازا، اہلِ جنت جنت میں داخل ہوکر پہلے

یوں کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ،	"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو اس مقام پر پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے"

دیہات کے کچھ لوگ اسلام قبول کرنے پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان دھرنے لگے، قرآن پاک میں ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (سورۂ حجرات)	"یہ لوگ اپنے ایمان لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں، آپ کہدیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی، بشرطیکہ تم سچے ہو"

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعروں میں اس نصیحت کو منظوم کیا ہے، وہ فرماتے ہیں؂

شکرِ خدائے کن کہ موفق شدی بخیر ❊ انعام وفضلِ او معطل نہ گذاشتت

"خدا کا شکر ہو کہ تجھے بھلائی کی توفیق ہوگئی ہے، اپنے فضل وانعام سے تجھے محروم نہ رکھا"

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی ❊ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

"یہ احسان مت کر کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، بلکہ اس کا احسان مان کہ اس نے تجھے خدمت میں رکھ لیا"

دوسرے اور تیسرے شعر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ پاک سے دعا کی کہ جب آپ نے ہم کو ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے نواز دیا تو ہماری مدد بھی فرما، دشمن ہم پر چڑھ کر آگئے ہیں، انھوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، اے اللہ ہم کو اطمینان اور سکونِ قلب عطا فرما، اور جنگ کی نوبت آجائے تو ہم کو ثابت قدم رکھنا، اگر انھوں نے ہم کو فتنہ میں ڈالنا چاہا یعنی یہ کوشش کی کہ ایمان سے ہٹا دیں اور شرک میں مبتلا کردیں تو ہرگز قبول نہ کریں گے، مریں گے کٹیں گے، مگر ایمان نہ جانے دیں گے، اَبَیْنَا کو بار بار پڑھنا اسی لئے تھا کہ کفر و شرک سے

بار بار بیزاری کا اعلان ہوتا رہے،

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر خندق تیار کرلی تھی، جس میں کافی دن لگے، ان ایام کی تعداد میں چار قول فتح الباری میں نقل کئے، پندرہ دن، بیس دن، چوبیس دن اور ایک ماہ، یہ سب مختلف اقوال ہیں، اب جو دشمن آئے تو دیکھا کہ خندق کھودی ہوئی ہے، وہ اُسے پار کرکے مسلمانوں تک نہ جاسکے، اِس پار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ تھے، جو تعداد میں چار ہزار تھے، اور اُس پار دشمنانِ اسلام تھے، جن کی تعداد دس ہزار تھی، بیس دن آمنا سامنا رہا، دست بدست جنگ کی نوبت نہیں آئی، البتہ طرفین سے تیر اندازی ہوتی رہی، اور تیر پھینکے جاتے رہے،

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک ہاتھ کی رگ میں تیر آکر لگا جس سے چند دن کے بعد اُن کی وفات ہوگئی، اس کا قصہ انشاء اللہ تعالیٰ قتلِ بنو قریظہ کے ذکر میں آئے گا ایک موقع پر دشمنوں کے چند سوار خندق کی تنگ جگہ کو پار کرکے مسلمانوں کی طرف آگئے، اُن میں سے ایک کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ایک کو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کردیا، اور باقی سوار ناکامی کے ساتھ واپس ہوگئے، (فتح الباری)

اور ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس قلعہ میں عورتوں اور بچوں کو محفوظ فرما دیا تھا، وہاں ایک کافر پہنچ گیا، عورتوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ کوئی کافر تمہارے قلعہ میں اُتر کر آنے لگے تو تلوار چمکا دینا، چنانچہ ہدایت کے مطابق خواتین نے ایسا ہی کیا، تلوار کی چمک پر حضرات صحابہؓ کی نظر پڑ گئی، اُس کو دیکھ کر چند صحابہ لپکے، اور اس کافر کی گردن کاٹ کر اس کا سر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کردیا، (جمع الفوائد)

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں) اس موقع پر ایک یہودی کو قتل کیا، جس قلعہ میں حضرت صفیہؓ دوسری عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھیں اُس کے آس پاس ایک یہودی چکر لگانے لگا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹی سی لکڑی لی اور قلعہ سے اُتر کر اُس یہودی کو قتل کردیا،

بئیس دن کا جو کافروں کی جماعتوں سے آمنا سامنا رہا مسلمانوں کے لئے یہ بہت سخت دن تھے، ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نمازیں بھی قضا ہوگئیں، عصر کی نماز قضا ہوئی تو آپؐ نے دشمنوں کے حق میں بد دعاء کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى،

"اللہ اُن کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے (جبکہ یہ اُن میں موجود ہوں) جیسا انھوں نے ہم کو صلوٰۃ وسطیٰ سے ہٹاکر مشغول کردیا"

اس موقع پر مسلمانوں کے دلوں میں کچھ وسوسے آنے لگے تھے، اور منافقین تو واضح لفظوں میں کہہ رہے تھے کہ اللہ ورسولؐ نے جو ہم سے وعدہ کیا وہ دھوکہ ہے، اس سخت موقع کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ط

"اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور سخت زلزلہ میں ڈالے گئے"

بئیس دن تک کفار خندق پار پڑے رہے، اور مسلمان بھی اُن کے مقابلہ میں ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے، بہت سخت کٹھن وقت تھا، جس میں کلیجے مُنہ کو آرہے تھے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا اس وقت پڑھنے کے لئے کچھ کلمات ہیں؟ اس پر آپؐ نے یہ کلمات تعلیم فرمائے:۔

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا،

"اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما، اور خوف کو دور فرماکر امن چین نصیب فرما"

بالآخر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں یوں دُعاء کی:۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتٰبِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ! اِهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ

"اے اللہ! اے کتاب اُتارنے والے! اے جلد حساب لینے والے! ان جماعتوں کو شکست دے، اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کے ارادے اور قدم ڈگمگا دے!"

اللہ جل شانہٗ نے دعاء قبول فرمائی، اور رات کے وقت سخت تیز ہوا بھیجی، اور فرشتوں کے

لشکر بھیجے، ہوا نے اُن کے خیمے اکھاڑ پھینکے، اور ہانڈیاں اُلٹ دیں، حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو دشمنوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسی جنگ میں شریک ہوئے اور پھر اسی موقع پر اسلام قبول کیا) انھوں نے کفار کی جماعتوں میں بڑی اچھی تدبیر سے پھوٹ ڈالی تھی، جس وجہ سے اوّل تو وہ لوگ خود ہی اپنی اپنی جگہ جنگ سے فرار کی راہ سوچنے لگے تھے، پھر اوپر سے زبردست آندھی آگئی، پھر کیا تھا، تتر بتر ہو کر بُری طرح بدحواس ہو کر بھاگ گئے، اللہ جلّ شانہٗ نے مسلمانوں کو بحفاظت وسلامت اُن کے گھروں میں لوٹا دیا، اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم اُن سے جنگ کریں گے، یہ ہم سے جنگ کرنے نہ آئیں گے، آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی (جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے) اور دَبُور کے ذریعہ قوم ہلاک کی گئی (دبور مغرب سے مشرق کو چلتی ہے) (صحیح بخاری)

قرآن مجید میں غزوۂ خندق کو جامع الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ؕ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۚ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ	"اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے (یعنی عیینہ کا لشکر اور ابو سفیان کا لشکر اور یہود بنی قریظہ) پھر ہم نے اُن پر ایک آندھی بھیجی، (جس نے اُن کو پریشان کر دیا اور اُن کے خیمے اکھاڑ پھینکے) اور (فرشتوں کی) ایسی فوج بھیجی جو تم کو (عام طور پر) دکھائی نہ دیتی تھی، (گو بعض صحابہؓ نے مثل حضرت حذیفہؓ کے بعض ملائکہ کو بشکل انسان دیکھا تھی، اور کفار کے لشکر میں یہ جاسوسی کے لئے گئے تھے وہاں یہ آواز بھی سُنی کہ بھاگو بھاگو، اور یہ ملائکہ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ۝

لڑے نہ تھے، محض القاءِ رعب کے لئے بھیجے گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے (اس وقت کے) اعمال کو (مثلِ حفرِ خندق و ثبات فی القتال و استقلال کے) دیکھتے تھے (اور خوش ہو کر تمہاری امداد فرما رہے تھے، یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا) جبکہ وہ (دشمن) لوگ تم پر (ہر طرف سے نرغہ کر کے) آچڑھے تھے، اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی (یعنی کوئی قبیلہ مدینہ کے نشیب کی طرف سے اور کوئی قبیلہ فراز کی طرف سے) اور جبکہ آنکھیں (مارے دہشت کے) کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، (جیسا مواقعِ شدت میں طبعی طور پر مختلف وسوسے آیا کرتے ہیں، اور یہ کچھ مذموم نہیں اور نہ اُس کے منافی ہے، کہ آگے اہلِ ایمان کا قول آوے گا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ کیونکہ اس میں مشار الیہ احزاب کا آنا ہے، پس چونکہ اس کی خبر دی گئی تھی، اس لئے یہ متیقن تھا، لیکن انجام اس واقعہ کا نہیں بتلایا گیا تھا، اس لئے اس میں احتمالات مختلف غالبیت و مغلوبیت کے پیدا ہوتے تھے) اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان کیا گیا (جس میں وہ پورے اُترے) اور (سخت) زلزلے میں ڈالے گئے، اور (یہ واقعہ اُس وقت ہوا تھا) جبکہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق اور شک کا) مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ نے اور اس کے رسول ؐ نے دھوکہ ہی کا وعدہ کر رکھا ہے (جیسا معتب بن قشیر اور اُس کے ہمراہیوں نے یہ قول اُس وقت کہا تھا کہ خندق کھودتے وقت کدال لگنے سے کئی بار آگ کا شرارہ نکلا،

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ارشاد فرمایا، کہ مجھ کو فارس اور روم وشام کے محل اس کی روشنی میں نظر آئے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے، جب احزاب کے اجتماع کے وقت پریشانی ہوئی تو یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو حالت ہے اور اس پر فتح روم وفارس کی بشارتیں ہیں، یہ محض دھوکہ ہے، اور گو وہ اس کو اللہ کا وعدہ نہ سمجھتے تھے نہ آپؐ کو رسول جانتے تھے، پھر یہ کہنا "مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" یا تو محکی عنہ میں نہ تھا، صرف حکایت میں ہے، اور یا بطور تمسخر واستہزاء کے ہے) اور (یہ واقعہ اس وقت تھا) جبکہ اُن (منافقین) میں سے بعض لوگوں نے (دوسرے حاضرین معرکہ سے) کہا کہ یثرب (یعنی مدینہ) کے لوگو! (یہاں) ٹھہرنے کا موقع نہیں،

(کیونکہ یہاں رہنا موت کے منہ میں آنا ہے) سو (اپنے گھروں میں) لوٹ جاؤ، (یہ قول اوس بن قیظی نے کہا اور بعض کچھ لوگ اس میں شریک تھے) اور بعضے لوگ ان (منافقین) میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے (گھر جانے کی) اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (صرف عورتیں بچے رہ گئے ہیں، دیواریں قابل اطمینان نہیں کبھی چور نہ آگھسیں، یہ قول ابوعرابہ اور دوسرے بعض بنی حارثہ کا تھا) حالانکہ وہ (ان کے خیال میں) غیر محفوظ نہیں ہیں (یعنی اُن کو اندیشہ چوری وغیرہ کا ہرگز نہیں اور نہ جانے سے یہ نیت ہے کہ اُن کا انتظام قابلِ اطمینان کر کے چلے آویں گے) یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں اور (اُن کی یہ حالت ہے کہ) اگر مدینہ میں اس کے (سب) اطراف سے اُن پر (جب یہ اپنے گھروں میں ہوں) کوئی (لشکر کفار کا) آگھسے پھر ان سے فساد (یعنی مسلمانوں سے لڑنے) کی درخواست کی جائے تو یہ (فوراً) اس (فساد) کو منظور کریں اور اُن گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں (یعنی اتنا توقف ہو کہ اُن سے درخواست کرے اور یہ منظور کریں، اور اس کے بعد فوراً ہی تیار ہو جائیں، اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جا پہنچیں، اور کچھ بھی گھروں کا خیال نہ کریں[1]

---

[1] ترجمہ وتفسیر از بیان القرآن ۱۲

غزوۂ احزاب کی تکمیل اور بنو قریظہ کا انجام

غزوۂ احزاب سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مدینہ میں تشریف لائے، اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمالیا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے، اور عرض کیا کہ آپؐ نے ہتھیار رکھ دیئے، اللہ کی قسم! ہم نے (یعنی فرشتوں نے ابھی) ہتھیار نہیں رکھے!! آپؐ اُن کی طرف روانہ ہوجائیے، آپؐ نے فرمایا کہ کن لوگوں کی طرف؟ عرض کیا وہاں چلئے، اور یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اُن کی طرف روانہ ہوگئے، یہ واقعہ ۲۳، ذیقعدہ ۵ھ کا ہے، حضرات صحابہؓ بھی روانہ ہوگئے، جن کی تعداد تین ہزار تھی، بنی قریظہ یہودیوں کا قبیلہ تھا، ان لوگوں نے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرلیا تھا کہ آپؐ کے مقابلہ میں کسی کی مدد نہ کریں گے لیکن ان لوگوں نے معاہدہ توڑ دیا، اور غزوۂ احزاب میں مشرکینِ مکہ کے ساتھ شریک ہوگئے، اس غدر کی وجہ سے معاہدۂ امن ختم ہوگیا،

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہؓ اُن کے محلہ میں پہنچے تو یہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہوگئے، لہٰذا حضرات صحابہؓ نے اُن کا محاصرہ کرلیا، اور یہ محاصرہ پندرہ ۱۵ دن اور بعض روایات کے مطابق پچیس ۲۵ دن رہا، جس کی وجہ سے بنی قریظہ بہت بڑی دشواری میں پڑگئے، اور اُن کے دلوں پر رُعب طاری ہوگیا، اُن کے رئیس کعب ابن اسد نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ یا تو ایمان لے آؤ یا اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کرکے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل آؤ، یا سنیچر کی رات میں (جبکہ مسلمان تمھاری طرف سے غافل ہوں اور مطمئن ہوں کہ تم حملہ نہ کروگے) مسلمانوں پر حملہ کردو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نہ تو ایمان لائیں گے اور نہ سنیچر کی رات کی بے حرمتی کریں گے، اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کے بعد زندگی کا کیا مزا ہے؟

پس ان لوگوں نے یہ اطلاع بھیجدی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر

راضی ہوتے ہیں، جو بھی آپ کا فیصلہ ہو ہمیں منظور ہے، آپؐ نے حضرت سعد بن معاذ رضؓ پر یہ فیصلہ رکھ دیا جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے، پھر بنی قریظہ بھی حضرت سعدؓ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے ہاتھ کی رگ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر دشمن کا ایک تیر لگ گیا تھا، حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر بھیجی کہ یہ لوگ تمھارے فیصلہ پر راضی ہیں، چنانچہ وہ اسی تکلیف کی حالت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے فرمایا تم جو بھی فیصلہ کرو اُن کو منظور ہے،

یہ سنکر حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے عرض کیا کہ اُن کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ اُن میں جو لوگ جنگ کرنے کے قابل ہیں اُن کو قتل کر دیا جائے اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا جائے، اور اُن کے مال تقسیم کر لئے جائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا فیصلہ سنکر فرمایا کہ تم نے وہی فیصلہ کیا جو اُن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے،

اس فیصلہ کے بعد اُن کے مالوں کو اور اُن کی عورتوں بچوں کو غلام باندی بناکر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور مردوں کو (جن میں جوان بوڑھے سب تھے) قتل کر دیا گیا، مردوں کو اس طرح قتل کیا گیا کہ خندقیں کھودی گئیں اور اُن میں کھڑے کر کر کے گردنیں ماردی گئیں خندقوں میں اچھی طرح سے خون جاری ہوا، جن لوگوں کو قتل کیا گیا اُن کی تعداد میں اصحاب سیر میں بہت اختلاف ہے، چارسو، چھ سو، سات سو، نوسو تک کے اقوال ہیں[1]،

اس سلسلہ کے دو واقعے بہت عجیب ہیں، ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس طرح بیان فرمایا کہ بنی قریظہ کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی، یہ عورت میرے پاس موجود تھی، باتیں کرتی جاتی تھی، اور خوب زیادہ پلٹیاں کھا کھا کر ہنس رہی تھی، حالانکہ اُس وقت بنی قریظہ کے مرد قتل کئے جا رہے تھے، (اور اُسے معلوم تھا کہ میں قتل کئے جانے والی ہوں) اچانک کسی نے آواز دی کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ کہنے لگی، میں ہوں، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں میں نے کہا تجھے کیا ہوا؟ (یعنی تو قتل ہونیوالوں

---

[1] بخاری، فتح الباری ۱۲

کی فہرست میں کیسی آگئی، کہنے لگی، میں نے ایک ایسی حرکت کر دی ہے، چنانچہ اس کو لے جاکر گردن مار دی گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس وقت کے تعجب کو نہیں بھولتی ہوں کہ وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی، حالانکہ اُسے معلوم تھا کہ میں ابھی قتل ہونے والی ہوں[1]۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ زبیر نامی ایک یہودی تھا جو اندھا تھا، قتل کئے جانیوالوں کی فہرست میں آچکا تھا، اُس کے بارے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کا مجھ پر احسان ہے، آپ مجھے یہ ہبہ کر دیجئے، آپ نے کہا جاؤ یہ تمھارے لئے بخشش ہے، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر سے دریافت فرمایا کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ کہنے لگا، ہاں تم ثابت ہو، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تجھ پر احسان کرنا چاہتا ہوں، جیسا کہ تم نے مجھ پر جنگ بعاث میں احسان کیا تھا (میں نے تیری جان بخشی کرالی ہے) زبیر نے کہا، میرے اہل وعیال کہاں ہیں؟ یہ بات سُنکر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرکے اس کے اہل وعیال بھی حاصل کرلئے، اور اس سے کہا یہ بھی تم کو مل جائیں گے، زبیر کہنے لگا بلا مال کے صرف جسم لے کر کیا کریں گے، اس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مال بھی طلب کرلیا، آپ نے وہ بھی انکو دیدیا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کو بتا دیا کہ تیرا مال بھی محفوظ ہے، وہ بھی مل جائے گا، زبیر کہنے لگا کہ حیی بن اخطب کا کیا ہوا؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ قتل کیا گیا، کہنے لگا، اور فلاں فلاں کا کیا ہوا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے سب کے بارے میں فرمایا کہ وہ قتل ہوگئے، اس پر زبیر نے کہا کہ میں تمھیں اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میں نے تم پر کیا تھا کہ مجھے تم میری قوم ہی کے ساتھ ملا دو چنانچہ اس کی اس بات پر اُس کو بھی قتل کر دیا گیا[2]۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بنی قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ دیدیا جس پر عمل کر دیا گیا، تو انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ آپ کو معلوم ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسول کو جھٹلایا اور (شہر سے) نکال دیا ایسے لوگوں سے جہاد کرنے سے بڑھکر مجھے کوئی چیز محبوب نہیں ہے، اے اللہ! میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے ہمارے اور

---

[1] جمع الفوائد ۱۲ — [2] جمع الفوائد ۱۲

مشرکینِ مکہ کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے، پس اگر میرا یہ خیال صحیح نہیں ہو اور) قریش کی لڑائی میں سے کچھ حصّہ باقی ہے تو مجھے ابھی زندہ رکھئے، تاکہ آپ کی رضا کے لئے اس سے جہاد کروں اور اگر ہمارے اور قریشِ مکہ کے درمیان جنگ کا موقع بالکل ختم ہوچکا ہے تو میرے اس زخم رکے خون) کو (جو غزوۂ احزاب میں ہاتھ کی رگ میں تیر لگنے سے ہو گیا تھا) جاری کر دیجئے، اور میری موت کا اسی کو سبب بنا دیجئے، پس خون بہنا شروع ہوا اور اسی سے وفات ہوئی، (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر جو حضرت سعد بن معاذؓ کی رگ میں تیر لگ گیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ آگ سے داغ دیا تھا، (یہ اس زمانہ کا علاج تھا) اس سے اُن کا ہاتھ پھول گیا، اس کو اسی حال میں چھوڑ دیا گیا تو خون جاری ہو گیا، پھر آپؐ نے دوبارہ آگ کا داغ دیا، پھر ہاتھ پھول گیا، جب حضرت سعدؓ نے یہ حال دیکھا تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا اللہ میری جان نہ نکلے، جب تک بنی قریظہ کے معاملہ میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، چنانچہ خون بہنا بالکل بند ہو گیا، اور ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا، یہاں تک کہ جب بنی قریظہ اُن کے فیصلہ پر راضی ہو گئے، اُس کے بعد انھوں نے اُن کے بارے میں فیصلہ دیدیا کہ اُن کے مرد قتل کئے جائیں اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھ (کر مسلمانوں میں) بانٹ دیا جائے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، جن لوگوں کو قتل کیا گیا چار سَو آدمی تھے، جب اُن کے قتل سے فراغت ہو گئی تو حضرت سعدؓ کی رگ پھٹ گئی، اور (خون بہنا شروع ہوا اور اُن کی وفات ہو گئی (ترمذی)

سبحان اللہ! حضرات صحابہؓ کے کیا جذبات تھے؟ زندہ رہنے کی تمنا تھی تو کافروں سے جہاد کرنے کے لئے اور دشمنانِ دین کی ذلت اور رسوائی دیکھنے کے لئے، رضی اللہ عنہم اجمعین وارضاہم،

سورۂ احزاب ہی میں پارۂ اکیسؔ کے ختم کے قریب بنو قریظہ کی بدحالی کا اور مشرکینِ مکہ کی ناکامی کا تذکرہ فرمایا، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے خود ہی کافی ہو گیا، چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۚ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۚ

(سورۂ احزاب ع ۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اُن کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا، کہ اُن کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی، اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے آپ ہی کافی ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بڑا زبردست ہے، اور جن اہلِ کتاب (یعنی یہود بنی قریظہ) نے اُن (کافروں) کی مدد کی تھی اُنکو اللہ تعالیٰ نے اُن کے قلعوں سے نیچے اُتار دیا، ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (جس کی وجہ سے وہ قلعوں سے اُتر آئے) اور پھر بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کرنے لگے، اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور ان کے مالوں کا تم کو مالک بنایا، اور ایسی زمین کا (بھی) تم کو مالک بنایا جس پر تم نے (ابھی تک) قدم (بھی) نہیں رکھا، (اس میں فتح خیبر کی بشارت اور پیشین گوئی ہی) اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔"

قتلِ بنی قریظہ کے بعد مدینہ منورہ تقریبًا یہودیوں سے خالی ہوگیا، اوّل تو بنی قینقاع کو مدینہ سے جلا وطن کیا گیا، پھر بنی نضیر جلا وطن ہوئے، اور بنو قریظہ جو باقی رہ گئے تھے عہد شکنی کی وجہ سے اُن کا وہ انجام ہوا جو اوپر گذرا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو نضیر و بنو قریظہ نے جنگ کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا، اور بنو قریظہ پر احسان فرمایا کہ اُن کو مدینہ منورہ میں (معاہدۂ جدیدہ کے بعد) رہنے دیا، یہاں تک کہ بعد میں بنی قریظہ نے بھی جنگ کی تو آپؐ نے اُن کے مردوں کو قتل فرما دیا اور اُن کی عورتوں، بچوں اور مالوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، سوائے چند اُن لوگوں کے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں آگئے، آپؐ نے اُن کو امان دیدی، اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا، آپؐ نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، جن میں بنی قینقاع بھی تھے، جو عبداللہ بن سلام کا قبیلہ تھا، اور بنی حارثہ بھی تھے، اور ان کے علاوہ ہر یہودی کو مدینہ سے نکال دیا[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ سرزمینِ عرب میں کوئی کافر نہ رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ضرور بالضرور یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا، یہاں تک کہ اس میں سے مسلمان کے سوا کسی کو باقی نہ رکھوں گا (صحیح مسلم)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیتیں فرمائی تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا، (بخاری و مسلم) پس اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے بھی نکال دیا تھا جو مدینہ سے جلاوطن ہو کر وہاں آباد ہوگئے تھے ؛

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ (۲۳) أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ترجمہ، "میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"

(صحیح بخاری، صفحہ ۴۲۱ ج۱ باب من صف اصحابہ عند العزیمۃ و ص ۴۲۷ ج ا باب من قال خذہا وانا ابن فلاں و ص ۶۱۷ ج ۲ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین الخ)

شرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں فتح مکہ سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ ہی میں مقیم تھے، آپؐ کو خبر ملی کہ مالک بن عوف نضری نے بنی ہوازن کے قبائل کو جمع کیا ہے، اُن کے ساتھ بنی ثقیف بھی ہوگئے ہیں، بعض روایات میں بنو غطفان کا بھی ذکر ہے، اور اُن لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے جنگ کریں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی تو آپؐ دس ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر اُن کے مقابلہ کے لئے

---

[1] صحیح بخاری، ص ۵۷۴ ج ۲، ۱۲

شوال کے پہلے ہفتہ میں روانہ ہوئے، بنو ہوازن کا بہت بڑا قبیلہ تھا، یہ لوگ مرد عورت بچے، جانور مویشی سب کو ساتھ لے کر آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل کو انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کی غنیمت ہو گی، اور پہلے سے انھوں نے مقام حُنَین میں جگہ دیکھ بھال کر جنگ کی تیاری کرلی تھی، اور وادی کی تنگ جگہوں میں مورچہ بنالیا تھا، اور ترتیب اس طرح سے قائم کی تھی کہ پہلے گھوڑا سواروں کی صفیں بنائیں، پھر پیدل چلنے والوں کی صفیں، پھر عورتوں کی صفیں، پھر بکریوں کی صفیں پھر اونٹوں کی صفیں بنائیں اور بچوں، عورتوں اور جانوروں کے لانے کا مقصد یہ تھا کہ نہایت بہادری کے ساتھ جم کر مقابلہ کریں گے تاکہ بال بچے اور مال وغیرہ یاد آکر بزدلی نہ آجائے، اور اگر ختم ہوں تو سب اکٹھے ہی ختم ہو جائیں،

یہ میدانِ کارزار چونکہ ان لوگوں نے مقامِ حُنَین میں بنایا تھا، اس لئے اس معرکہ کو غزوہ حنین سے تعبیر کیا جاتا ہے، بنو ہوازن تیراندازی میں بڑے ماہر تھے، اُن کے تیر خطا ہوتے ہی نہ تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کو لیکر حنین پہنچے، تو چونکہ اس موقع پر مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا، اور بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ کہ "آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمہ شاق گذرا، جس کے نتیجہ میں اللہ پاک نے شکست دکھائی، اور پھر بعد میں فتح ہوئی، شکست کا ظاہری سبب وہی بنی ہوازن کی تیراندازی تھی، جب حضراتِ صحابہؓ حُنین میں پہنچے اور بنی ہوازن بارش کی طرح تیر برسانے شروع کئے، تو مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہو گئی، میدانِ جہاد سے مُنہ پھیر کر بالکل بھاگ جانا جس میں واپسی کا ارادہ نہ ہو سخت گناہ ہے، لیکن اگر گھوم کر واپس ہونے اور پلٹنے کا ارادہ ہو تو یہ گناہ میں شمار نہیں ہے، حضرات صحابہؓ نے راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی، اس لئے جلد ہی واپس آگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک خچر نی پر سوار تھے، آپؐ کی بہادری اور شجاعت پہلے ہی سے سب پر آشکارا تھی، جب کبھی کوئی موقع سخت جنگ کا ہوتا، تو اس موقع پر آپؐ

ہی سب سے آگے رہتے تھے، جو شخص آپ کے ساتھ رہ جاتا تھا، وہ شخص بہادری میں ممتاز سمجھا جاتا تھا، اس موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور بہادری کے جوہر کھلے، آپؐ اپنی خچرنی پر سوار تھے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

"میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں"

جو حضرات صحابہؓ اس موقع پر آپؐ کے ساتھ تھے ثابت قدم رہ گئے تھے اسّی آدمی تھے، جن میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور آپؐ کے دوسرے چچا حارث کے بیٹے ابو سفیانؓ بھی تھے، یہ ابو سفیان وہی ہیں جن کا ذکر حضرت حسانؓ کے اشعار کے ذیل میں آچکا ہے، ان کو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عداوت تھی، ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، بعد میں اللہ نے اسلام کی توفیق دی، اور فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا اور بہت سچے پکے مسلمان ہوگئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حُنین میں شریک ہوئے، اور بہت جواں مردی دکھائی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مندرجۂ بالا شعر پڑھ رہے تھے، اور حضرت ابو سفیانؓ آپؐ کی خچرنی کی لگام تھامے ہوئے تھے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ رکاب تھامے ہوئے تھے، اور حضرت عباسؓ لگام پکڑے ہوئے تھے، ممکن ہے پہلے حضرت ابو سفیانؓ لگام تھامے ہوئے ہوں، بعد میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خچرنی کو تیز چلانے کے لئے ایڑی ماری تاکہ مشرکینِ مکہ کی طرف بڑھیں، تو حضرت عباسؓ نے خچرنی کی تیزی پر قابو پانے کے لئے لگام پکڑی ہو، اور حضرت ابو سفیانؓ نے چچا کے اکرام میں بخوشی لگام اُن کے حوالے کرکے خود رکاب پکڑلی ہو، یہ ابو سفیانؓ وہ نہیں ہیں جو حضرت معاویہؓ کے والد تھے، یہ ابو سفیان بن الحارث ہیں وہ ابو سفیان بن الحرب ہیں، رضی اللہ عنہما،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر خچرنی کی سواری اختیار فرمائی، تاکہ بہادری اور ثبات قدمی ظاہر ہو، کیونکہ خچرنی دوڑ نہیں سکتی، گھوڑے پر سوار ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سوار جب موقع دیکھے بھاگ سکتا ہے، آپؐ نے خچرنی استعمال کرکے بھاگنے کا وہم دل فرمادیا، جب آپؐ کے صحابہؓ دشمن کی تیراندازی دیکھ کر منتشر ہوگئے جو ہزاروں کی تعداد میں تھے

اور آپؐ کے ساتھ تھوڑے سے آدمی رہ گئے، تو آپؐ نے داہنی طرف کو رُخ کر کے آواز دی:
یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ، یہ سُنکر وہ یہ کہتے ہوئے دوڑے:-

لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَبْشِرْ نَحْنُ مَعَکَ،	"اے اللہ کے رسولؐ ہم حاضر ہیں آپ خوش رہیں، ہم آپؐ کے ساتھ ہیں"

پھر بائیں طرف رُخ پھیر کر یہی آواز دی، اور اس پر انصار نے وہی جواب دیا اور حاضر خدمت ہو گئے، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے یوں آواز دی:

یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ،	"اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں"

اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اصحاب الشجرہ کو بلاؤ،
حضرت عباسؓ کی آواز بہت بلند تھی، انھوں نے خوب بلند آواز سے پکارا:

اَیْنَ اَصْحٰبُ الشَّجَرَۃِ ؟	"یعنی کہاں ہیں شجرہ والے ؟"

(شجرہ والوں سے وہ حضرات مراد ہیں جنھوں نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیعت کی تھی) جب ان حضرات نے یہ آواز سُنی تو یَا لَبَّیْکَ یَا لَبَّیْکَ کہتے ہوئے ایسی تیزی سے دَوڑتے ہوئے آئے جیسے گائے اپنے بچوں کے پاس دَوڑ کر آتی ہے، اصحاب شجرہ کے علاوہ دیگر مہاجرین و انصار بھی لَوٹ کر آئے، اور جنگ شروع ہو گئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خچر پر سے نیچے اُترے، اور اللہ سے مدد طلب کی، اور ایک مُٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف کنکریاں پھینک دیں، اور بعض روایات میں ہے کہ مٹھی بھر مٹی پھینک دی اور فرمایا:
شَاھَتِ الْوُجُوْہُ (چہرے بدصورت ہو جائیں) پھر فرمایا: اِنْھَزَمُوْا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ (یعنی ربِ کعبہ کی قسم! دشمنوں کو شکست ہو گئی)، چنانچہ ایسے ہی ہوا جو مٹی یا کنکریاں آپؐ نے دشمنوں کی طرف پھینکیں اُن میں سے ہر شخص کی آنکھوں میں بھر گئیں، اور وہ لوگ شکست کھا کر بھاگ نکلے[۱] اور اس موقع پر[۲] ہزاروں عورتیں قید میں آئیں جن کو مجاہدین میں

---

[۱] از بخاری و مسلم و فتح الباری ۱۲ [۲] عینی شرح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر چھ ہزار افراد قید ہوئے اور ۲۴ ہزار اونٹ ملے اور ۴۰ ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں ملی ۱۲

بانٹ دیا گیا، اور ہزاروں بکریاں اور اونٹ غنیمت میں ملے، جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہیں تقسیم فرمادیا،

اس موقع پر صفوان بن امیہ بھی حاضر تھے، فتح مکہ کے موقع پر یہ بھاگ گئے تھے، اُن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کی گئی، آپؐ نے امان دیدی، اور باوجودیکہ اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا چار ماہ امن وامان سے زمین میں چلنے پھرنے کی اجازت مرحمت فرمائی، یہ حالتِ کفر ہی میں غزوۂ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آگئے، اور اس کے بعد طائف کے محاصرہ کے موقع پر آپؐ کے ساتھ حاضر رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مالِ غنیمت معرکۂ حنین سے ہاتھ آیا تھا اس کو بانٹنا شروع کیا، صفوانؓ دیکھتے رہے، (کہ ایک ایک شخص کو سَو سَو اونٹ مِل رہے ہیں)، خود ان کو بھی آپؐ نے بہت مال دیا، یہ دیکھ کر اُن کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اور کہنے لگے کہ خدا کی قسم ایسی داد ودہش نبی کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا، اس کے بعد صفوانؓ مسلمان ہوگئے،[1]

مالک بن عوف نصری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے قبائل کو جمع کرکے لایا تھا وہ شکست کھاکر طائف چلا گیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے پاس آتا تو اس کا مال اور اس کے بال بچے اس کو واپس کردیتا، جب اس کو یہ بات پہنچی تو حاضرِ خدمت ہوکر اسلام قبول کرلیا، آپؐ نے اس کو بھی سَو اونٹ دیئے، یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، بعد میں پکے مسلمان ہوگئے،[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو شعر پڑھا تھا، اس میں اوّل تو اپنے نبی ہونے کا اعلان فرماتے ہوئے اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ کا نبی ہوں جس میں کوئی شک نہیں، اللہ نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے وہ حق ہے، میں نے جو خبر دی ہے بلاشبہ درست ہے، اس کے بعد آپؐ نے اپنے ابن عبدالمطلب

---

[1] الاکمال لصاحب المشکوٰۃ ۱۲ [2] عینی شرح بخاری ۱۲

[3] جاء تصریح بذلک عند البخاری راجع باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبہم ۱۲

ہونے کا اعلان واظہار فرمایا، اس موقع پر آپؐ نے اَنَا ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ نہیں فرمایا، بلکہ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ فرمایا، یعنی اپنے کو دادا کی طرف منسوب کیا، اور عبد المطلب کا بیٹا بنایا، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دادوں کی طرف نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کا بیٹا ہوں درست ہے، البتہ یہ بات کہ اُس وقت اِس میں کیا حکمت تھی کہ آپؐ نے اپنی نسبت عبد المطلب کی طرف کی، اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ چونکہ جناب عبد اللہ کی وفات جوانی میں ہوگئی تھی، اور عبد المطلب کی معروف شخصیت تھی، اور انھوں نے عمر بھی بہت پائی، (اور آپؐ کی پرورش بھی کی) جس کی وجہ سے بہت سے لوگ آپؐ کو ابن عبد المطلب ہی کہتے تھے، اس لئے اظہارِ شجاعت کے لئے اس موقع پر اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ فرمایا، اور اپنے بارے میں یہ اعلان فرمایا کہ میں بھاگنے والا نہیں ہوں، دوسرے اپنے صحابہؓ کو بھی متوجہ فرمایا، کہ میں ثابت قدم ہوں، تم لوگ واپس آجاؤ،

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ عبد المطلب کی ذریت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو خاتم الانبیاء ہوگا وہ اللہ کی طرف بلائے گا، اور لوگوں کو اس کے ذریعہ ہدایت ہوگی، پس جن لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اُن کو یاد دلانا تھا، مقصود تھا کہ دیکھو میں وہی ابن عبد المطلب ہوں جس کی خوشخبری پہلے سے معروف و مشہور ہے، چونکہ پیشین گوئی میں یہ بات بھی تھی کہ وہ شخص جو خاتم الانبیاء ہوگا اس کو شکست نہ ہوگی الحمد للہ! اللہ کی مدد اور آپؐ کی دلیری اور ثبات قدمی سے معرکہ سر ہوا اور مسلمانوں کو شکست کے بعد زبردست کامیابی ہوئی، قرآن مجید میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا (جیسے بدر وغیرہ) اور حنین کے دن بھی (جس کا قصہ عجیب و غریب ہے تم کو غلبہ دیا) جبکہ (یہ واقعہ ہوا تھا کہ) تم کو اپنے مجمع کی

وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

کثرت سے غرّہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی، اور (کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ) تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ کرنے لگی، پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے قلب) اور دوسرے مؤمنین کے قلوب پر اپنی (طرف سے) تسلّی نازل کی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا (مراد فرشتے ہیں جس کے بعد تم مستعدِ قتال ہوئے اور غالب آئے) اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سزا دی (کہ آن پر ہمت اور قتل و قید واقع ہوا) اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے "۔

اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ ﴿۲۴﴾ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الرُّضَّعِ

ترجمہ:- "میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کمینوں (کی ھلاکت) کا دن ہے"۔

(صحیح بخاری، ص ۲۷، ۴، ج ۱، باب من رآی العدو فنادی باعلیٰ صوتہ الخ و ص ۱۰۳ ج ۲، باب غزوۃ ذات القرد)

شرح مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک آبادی تھی، جس کو "غابہ" کہتے تھے۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ والی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، ایک دن کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبد الرحمٰن فزاری نے جو کافر تھا اُن کو لوٹ لیا، اور جو صاحب چراتے تھے اُن کو قتل کر دیا، اتفاقاً حضرت سلمہ بن الاکوعؓ صبح کی اذان سے پہلے تیر کمان لئے ہوئے پیدل غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے، کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے ایک غلام سے ملاقات ہوگئی اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں لوٹ لی گئیں، حضرت سلمہؓ نے پوچھا کس نے لوٹیں؟ اُس نے جواب دیا کہ قبیلۂ غطفان کے لوگوں نے لوٹ لی ہیں، بعض روایات میں بنی فزارہ اور بنی غطفان دونوں کا ذکر ہے، (فزارہ غطفان کی ایک شاخ تھی) حضرت سلمہ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے، انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف مُنہ کرکے سلع پہاڑ پر

چڑھ کر تین بار زور سے پکارا، یَاصَبَاحَاہُ، یہ الفاظ اُس زمانہ میں ایسے موقع پر پکارے جاتے تھے، جب اپنے آدمی غافل ہوں اور دشمن آن پہنچا ہو، اور اُس کے دفاع کے لئے جلد از جلد متوجہ کرنا مقصود ہو، یہ آواز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی، آپؐ نے صحابہ کو جمع کرنا شروع فرما دیا، اور حضرت سلمہؓ تیر کمان لئے اُن لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے، حتیٰ کہ اُن کے پاس تک پہنچ گئے، اور بڑی پھرتی سے اُن پر دمادم تیر برسانے شروع کر دیتے، وہ لوگ تعداد میں بہت تھے، اور سوار تھے، اور یہ تنہا تھے، اُن میں جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو حضرت سلمہؓ کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اُس گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہو جاتا، اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا گر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا، حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ بھاگتے رہے اور میں تیر مارتا رہا، جب تیر مارتا تھا تو اَنَا ابْنُ الْاَکْوَعِ اَلْیَوْمَ یَوْمُ الرُّضَّعِ کہتا جاتا تھا، تیروں سے اُن کا اتنا پیچھا کیا کہ وہ لوگ بدحواس ہو گئے، اور انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی اونٹنیاں لُوٹی تھیں وہ سب میں نے اُن سے چھڑا لیں اور وہ میرے پیچھے رہ گئیں، اور اُن کے علاوہ وہ لوگ اپنے تیس۳۰ برچھے اور تیس۳۰ چادریں بھی چھوڑ کر گئے، کیونکہ اُن کو بھاگنے کے لئے ہلکا ہونے کی ضرورت تھی، اسی اثناء میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، وہ بھی چڑھ گئے، جب اُن میں سے چار آدمیوں نے میرا پیچھا کیا، اور میرے قریب ہو گئے، تو میں نے کہا کیا تم مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں، اُس ذات پاک کی قسم: جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے، تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور میں تم میں سے جس کو پکڑنا چاہوں پکڑ سکتا ہوں،

یہ لوگ میری بات سُنکر واپس ہو گئے، اُن میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس نے جو دعویٰ کیا ہے ٹھیک معلوم ہوتا ہے، میں اپنی اسی جگہ پر تھا کہ میں نے دیکھا کہ درختوں کے درمیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسوار آرہے ہیں، جن میں سے سب سے آگے اخرم اسدیؓ تھے اور اُن کے پیچھے ابو قتادہؓ تھے،

اخرم اسدیؓ نے آتے ہی عبدالرحمٰن فزاری پر حملہ کیا، اور عبدالرحمٰن بھی اُن پر متوجہ

ہوا، انھوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر حملہ کرکے پاؤں کاٹ دیئے، جس سے گھوڑا گر پڑا، عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے اُن پر حملہ کر دیا جس سے وہ شہید ہوگئے، حضرت آخرم اسدیؓ کے پیچھے حضرت ابو قتادہؓ تھے، انھوں نے عبدالرحمٰن فزاری کو قتل کر دیا،

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں لٹیروں کے پیچھے دَوڑتا رہا، حتیٰ کہ وہ غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے ایک تالاب پر پہنچے جس کو "ذی قرد" کہا جاتا تھا، انھوں نے چاہا کہ اس میں سے پانی پی لیں، لیکن مجھے پیچھے سے دَوڑتا ہوا دیکھا تو پیاسے ہی بھاگ کھڑے ہوئے، ایک قطرہ پانی بھی نہ پی سکے، دوڑتے دوڑتے اُن میں کا ایک آدمی پہاڑ کی گھاٹی میں کچھ فاصلہ پر مل گیا، میں نے اس کے ایک تیر مارا، اور کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں اور آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے، یہ تیر اُس کے مونڈھے کی ہڈی کو توڑتا ہوا چلا گیا، وہ شخص بولا تیرا بُرا ہو تو کونسا اکوع ہے؟ تو وہی صبح والا اکوع ہے؟ میں نے کہا ہاں! اے نفس کے دشمن میں وہی صبح والا اکوع ہوں، اس کے بعد وہ لوگ دو گھوڑے چھوڑ گئے، میں اُن کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا، راستہ میں میرے چچا عامر مل گئے، جن کے پاس چمڑے کے برتن میں کچھ دُودھ ملا ہوا پانی تھا، جسے میں نے پی لیا دوسرے برتن میں پانی تھا، اس سے میں نے وضو کیا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، تو دیکھا آپؐ نے اپنے اونٹ اور وہ سب چیزیں جو میں نے مشرکین سے چھڑائی تھیں، چادریں، نیزے وغیرہ سب اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی ذبح کی جو میں نے دشمنوں سے چھڑائی تھیں، وہ اس کا جگر اور کوہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھُون رہے تھے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَو آدمی منتخب کرکے میرے ساتھ کر دیجئے، تاکہ میں دشمنوں کے پیچھے لگوں، اُن میں سے کوئی خبر دینے والا ہی باقی نہ رہے، یہ سُنکر آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ آگ کی روشنی میں مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، اور فرمایا کیا تم ایسا کر دوگے؟ میں نے عرض کیا، قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپؐ کو اعزاز بخشا ہے ضرور ایسا کر دوں گا' آپؐ نے فرمایا کہ اب تعاقب مناسب نہیں، وہ لوگ غطفان کے علاقہ میں پہنچ گئے ہیں

وہاں اُن کی دعوت ہو رہی ہے۔ (یعنی اپنی قوم میں پہونچ گئے ہیں)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اُن کو دن بھر پانی نہ پینے دیا، یہ لوگ پیاسے ہیں، ابھی ابھی اُن کی طرف لشکر بھیج دیجئے، آپ نے فرمایا، تم نے بہت کچھ کرلیا ہے، اب جانے دو،

لیکن اُن لوگوں پر اتنی دہشت سوار ہو چکی تھی کہ بنی غطفان کے ایک فرد نے خبر دی کہ ان لوگوں کے لئے ایک شخص نے اونٹ ذبح کیا تھا، جب اس کی کھال کھینچی (اور پکانے بھوننے کا ارادہ کیا) تو غبار اُڑتا ہوا نظر آیا، بس اُسے دیکھ کر بھاگ نکلے، کہ (تعاقب کرنے والے، لوگ (یعنی حضرات صحابہؓ) آپہنچے،

جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں سے سب سے بہتر ابو قتادہؓ اور ہمارے پیادہ پا چلنے والوں میں سب سے بہتر سلمہؓ ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہؓ کو اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھایا اور مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے، راستہ میں حضرت سلمہؓ نے ایک انصاری صحابیؓ سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، اور ان سے پہلے مدینہ منورہ پہنچ گئے، مدینہ پہنچ کر تین دن کے بعد غزوہ خیبر کے لئے روانگی ہوئی،

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اُن لٹیروں کے تیر مارتے تھے تو سواری کے کجاووں کو توڑ کر آدمی کے کاندھے سے نکل کر پار ہو جاتا تھا، جب مارتے تھے تو یہ شعر پڑھتے تھے،

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ ✤ اَلْيَوْمَ يَوْمُ الرُّضَّعِ

یعنی میں اکوع کا بیٹا ہوں، آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے،، مطلب یہ ہے کہ آج پتہ چلے گا کہ دلیر اور بہادر کون ہے، جو جم کر مقابلہ کرتا ہے، اور کمینہ کون ہے جو میدان سے بھاگتا ہے،

الرضع، راضع کی جمع ہے، جس کے اصل معنی تو ہیں تھن سے دودھ لینے والا، کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت کنجوس تھا، اس ڈر سے اونٹنی کا دودھ برتن میں نہ نکالتا تھا

کہ کوئی مسافر یا پاس پڑوس کا آدمی تھوڑا بہت دودھ نہ مانگ لے، لہٰذا وہ اونٹنی کے تھن سے منھ لگا کر پی لیتا تھا، اس کے بعد "راضع" ہر کمینے کو کہنے لگے، بعض حضرات نے کہا کہ تھن سے مُنہ لگا کر اس لئے پیتا تھا کہ دوہتے میں ذرا بہت دودھ بھی نہ گرنے پائے، اور پیالہ میں جو ذرا بہت لگا رہ جاتا ہے اس کے ضائع ہونے کا موقع نہ آئے،

"راضع" کو لئیم کے معنی میں لینے کے بارے میں اور بھی چند اقوال ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ دوسرے مصراع کے معنی یہ ہیں کہ آج معلوم ہوگا کس نے شریف عورت کا دودھ پیا ہے جس کا بیٹا نجیب اور جواں مرد ہے، اور کس نے کمین عورت کا دودھ پیا ہے جس کا بچہ بزدل اور کمینہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ آج پتہ چلے گا کہ بچپن سے جنگ کو ماں بنانے والا اور اس کا دودھ پینے والا کون ہے، یعنی جنگی مشقوں میں کس کو کمال حاصل ہے؟

شرّاحِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے ایسے شعر پڑھنا جن میں اپنے جنگی کمالات کا ذکر ہو درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کوئی دینی کام دلیری اور بہادری کے ساتھ انجام دے تو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ کہہ دینا درست ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر ابو قتادہؓ رہے، اور پیدل چلنے والوں میں سب سے بہتر حضرت سلمہؓ رہے، واللہ اعلم،

وَلَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا (۲۵) عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ
وَذٰلِكَ فِيْ ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ (۲۶) يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٍ

ترجمہ (۲۵) "اور میں جس وقت مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں اس وقت کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو پر میرا پچھاڑا جانا ہوا"

(۲۶) "اور یہ (قتل ہونا اللہ کی ذات کے بارے میں ہے یعنی اس کی رضا کے لئے) اور اگر وہ چاہے تو ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے اعضاء میں (بھی) برکت دیدے گا"

(صحیح بخاری ص ۴۲۸ ج ۱ باب ہل یستاسر الرجل الخ و ص ۵۶۹ ج ۲ باب بعد باب فضل

من شہد بدراً، وص ۵۰۶ ج ۲ باب غزوۃ الرجیع الخ وص ۱۰۱ باب ما یذکر فی النعات والنعوت)

شرح یہ اشعار حضرت خُبَیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس وقت پڑھے جبکہ مشرکین مکہ ان کو قتل کرنے لگے تھے، اس کا مفصل قصّہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس (یا بعض روایات میں چھ آدمیوں) کو بطور جاسوس اہلِ مکّہ کی خبر لینے کے لئے بھیجا تھا، جن کا امیر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا، جب مکہ معظمہ اور عُسفان کے درمیان پہونچے تو بنو لحیان کو ان حضرات کے سفر میں ہونے کا پتہ چل گیا، ان میں سے دو سو آدمی ان کے پیچھے لگ گئے، جن میں سو آدمی تیر انداز تھے، جب ان حضرات کو اس کا علم ہوا کہ ہمارے پیچھے دشمن لگ لیا ہے تو ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے، کفار جو پیچھے لگ گئے تھے وہاں جا پہنچے، اور ان حضرات سے کہا کہ ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو قتل نہیں کریں گے، مقصد صرف اتنا ہے کہ تمھارے بدلہ میں مکّہ والوں سے کچھ مال وصول کرلیں، تم نیچے اُتر آؤ،

اس پر حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو کسی کافر کا بھروسہ نہیں کرتا اور اُس کی ذمّہ داری پر نہیں اُترتا، دوسرے حضرات نے بھی حضرت عاصمؓ کی موافقت کی، اور اُن کے ساتھ جانے سے انکار کردیا، اور ترکش سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہوگئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا، اور جب نیزے بھی ٹوٹ گئے تو تلوار سے مقابلہ کیا، دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، بالآخر تین حضرات کے علاوہ سب شہید ہوگئے، جن میں حضرت عاصمؓ بھی تھے،

انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں دعاء کی کہ یا اللہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے قصّہ کی خبر کردے، چنانچہ یہ دعاء قبول ہوئی، اور اُسی وقت اس واقعہ کا علم حضورؐ کو ہوگیا، حضرت عاصمؓ اور سُلافہ نامی ایک عورت کے بیٹوں کو جنگِ اُحد میں قتل کرچکے تھے، اس لئے سُلافہ نے منّت مانی تھی کہ اگر عاصمؓ کا سر ہاتھ آگیا تو اس میں شراب پیوں گی، حضرت عاصمؓ نے شہادت کے وقت دُعاء کی تھی کہ یا اللہ میرا سر تیرے رستہ میں کاٹا جارہا ہے، تو ہی اس کا محافظ ہے، یہ دعاء بھی قبول ہوئی، اور شہادت کے بعد کافروں نے جب سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایات میں ہے کہ بھڑوں کا ایک غول بھیجدیا

جنھوں نے اُن کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کا خیال تھا کہ رات کے وقت جب اُڑ جائیں گی تو سر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو آئی، اور اُن کی نعش کو بہا کر لیگئی، جو تین حضرات اُس وقت شہید ہونے سے بچ گئے تھے، حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارقؓ تھے، ان تینوں حضرات سے پھر کافروں نے عہد و پیمان کیا، کہ تم نیچے آجاؤ ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے، اور نیچے اُترنے پر کفار کمانوں کی تانت اُتار کر اُن کی مشکیں باندھنے لگے،

حضرت عبداللہ بنؓ طارق نے فرمایا کہ یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے، میں تمھارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتدا ہی مجھے پسند ہے، انھوں نے زبردستی اُن کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے، تو اُن لوگوں نے اِن کو بھی شہید کر دیا،

اب صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے، جن کو لے جا کر انھوں نے مکہ معظمہ کے مشرکین کے ہاتھ فروخت کر دیا، ایک حضرت زیدؓ بن دثنہ جن کو صفوان بن امیہ نے خریدا، تاکہ اپنے باپ اُمیہ کے بدلہ میں قتل کرے، دوسرے حضرت خُبیبؓ جن کو حُجیر بن ابی اہاب نے خریدا، تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرے، ایک روایت میں ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا، انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا، صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زیدؓ کو انھی ایام میں حرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج کر قتل کرا دیا، اور حضرت خُبیبؓ ایک عرصہ تک قید میں رہے، اور قید میں اُن کو مشرکین نے اشہرِ حرم نکل جانے کے انتظار میں رکھا، جب اشہرِ حرم نکل گئے تو تنعیم میں لے جا کر (جو خارج حرم ہے) اُن کو شہید کر دیا، جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آرہی ہے،

قید کے زمانہ میں اُن کو ایک عورت کی نگرانی میں دیدیا تھا، وہ عورت بیان کرتی تھی کہ جب خُبیبؓ ہم لوگوں کی قید میں تھے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، تو ہم نے دیکھا کہ خُبیبؓ ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ آدمی کے سر کے برابر ہاتھ میں ہے، اور انگور کھا رہے ہیں، حالانکہ مکہ معظمہ میں اُس وقت انگور بالکل نہیں تھا، وہی کہتی ہے کہ جب اُنکے قتل کا وقت قریب آیا تو انھوں نے صفائی کے لئے اُسترہ مانگا، وہ دیدیا گیا، اتفاق سے

ایک کمسن بچّہ اُس وقت خبیبؓ کے پاس چلا گیا، ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ اُن کے ہاتھ میں ہے اور بچّہ اُن کے پاس بیٹھا ہے، یہ دیکھکر گھبرائے، خبیبؓ نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں بچّے کو قتل کر دوں گا، میں ایسا نہیں کر سکتا،

اس کے بعد اُن کو حرم سے باہر لایا گیا، اور سُولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں (کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کی ملاقات قریب ہے) چنانچہ مہلت دی گئی، انھوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں، اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھوگے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے زیادہ دیر کر رہا ہوں تو میں اور لمبی نماز پڑھتا،

حضرت خبیبؓ نے یہ ایک اچھا طریقہ جاری کیا، کہ قتل کے وقت دو رکعتیں پڑھی جائیں اس کے بعد ہر مسلمان کے لئے یہ طریقہ مسنون ہو گیا،

اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے دعا کی کہ یا اللہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو میرا سلام تیرے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچائے، لہٰذا آپ سلام پہنچا دیجئے. چنانچہ اسی دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبیبؓ کا سلام پہنچا دیا، آپؐ نے فرمایا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا خُبَيْبُ، اور آپؐ نے حاضرین سے فرمایا کہ قَتَلَتْهُ قُرَيْشٌ یعنی خبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا،!

قتل کرنے کے بعد چالیس۴۰ دن تک سُولی پر نعش کو لٹکائے رکھا تو زخم سے خون جاری تھا، جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی، جب حضرت خبیبؓ کو زندہ سُولی پر لٹکا دیا تو کفار کے حق میں بد دعا کی،

اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمْ عَدَدًا وَّاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَّلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا،	"اے اللہ ان میں سے ہر ایک کو تو اپنی شمار میں رکھ اور ہر ایک کو الگ الگ قتل فرما اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ رکھ"

جس وقت حضرت خبیبؓ یہ دعا کرتے تھے کافر لوگ ڈر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ

اُن کی یہ بددُعا ضرور رنگ کررہے گی، ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ یہ لوگ سب ختم ہوگئے، ان میں سے صرف ایک شخص بچا جو بددعا کے وقت زمین سے چپک گیا تھا، (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری) اور حاشیہ بخاری میں ہے کہ اُن میں سے جو لوگ کفر پر مرے یا مقتول ہوئے اُن کے حق میں یہ دعاء قبول ہوتی، اُن میں سے بعض مسلمان ہوگئے تھے، خود عقبہ بھی مسلمان ہوگیا تھا،

حضرت خبیبؓ کو سُولی پر لٹکا کر جب نیزہ سے اُن کا بدن چھلنی کیا گیا، تو اُس وقت اُن سے کافروں نے قسم دے کر پوچھا کہ کیا تجھے یہ پسند ہو کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، حضرت خُبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا کہ واللہ العظیم مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں چھوٹ جاؤں اور اس کے بدلہ میں ہمارے آقا روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک قدم میں ایک کانٹا بھی لگے، (فتح الباری)

حضرت خُبیبؓ نے سولی پر چڑھتے ہوئے دشمنوں کے حملہ کے وقت یہ شعر پڑھے

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ❊ عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ ❊ یُبَارِکْ فِیْ اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٍ

اس کے بعد عقبہ بن حارث نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ ؎

چہ خوش رسمے بنا کردند درخاک وخوں غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

"کیا اچھی رسم جاری کی خون اور مٹی میں لوٹنے کی، خدا ان پاکیزہ مزاج عاشقوں پر رحمت فرمائے"،

حضرت خبیبؓ کے پہلے شعر کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ اسلام میں قتل ہورہا ہوں، مسلمان ہوتے ہوئے جان دینا سب سے بڑی کامیابی ہو، بلکہ کامیابی صرف یہی ہے، کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کی حالت میں اس دنیا سے چلا جائے، جب اسلام پر موت آگئی جس سے اللہ کی رضامندی کا یقین ہوگیا، اور جنت کی ابدی نعمتیں ملنے کی خوش خبری مل گئی تو جسم خاکی کے بارے میں یہ سوچنا کہ کس کروٹ سے گرلے فائدہ ہے،

دوسرے شعر کا مطلب یہ ہو کہ قتل ہونا اللہ جلّ شانہٗ کی راہ میں ہے، وہ راضی ہوجائے

تو سب کچھ ہے، اس کی رضا، کے لئے لاکھوں جانیں بھی چلی جائیں تو اُس کا حق ادا نہیں ہو سکتا

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور کسی چیز کو مبارک بنانا اللہ پاک کے اختیار میں ہے، وہ برکت دینا چاہے تو پورے جسم میں بھی برکت دے سکتا ہے، اور جسم کے اعضاء الگ کر دیئے جائیں تب بھی وہ ان میں برکت دے سکتا ہے اور اُن کو باعزت بنا سکتا ہے،

فتح الباری اور ارشاد السّاری میں لکھا ہے کہ ابن اسحٰق نے حضرت خبیبؓ کے تیرہ[۱۳] اشعار نقل کئے ہیں، اور ابنِ ہشام سے نقل کیا ہے کہ جو حضرات اشعار سے واقفیت رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ تمام (اشعار یا دو کے علاوہ باقی اشعار) حضرت خبیبؓ کے نہیں ہیں، بہر حال اس میں شک نہیں کہ حضرت خبیبؓ نے مذکورہ دو شعر شہادت کے وقت پڑھے تھے، جو بخاری شریف میں مذکور ہیں،

علامہ عینیؒ نے شرح بخاریؒ میں دس اشعار نقل کئے ہیں، جن میں مذکورہ دو شعر بھی ہیں

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں اس حدیث سے (جس میں حضرت خبیبؓ اور حضرت عاصمؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کا قصہ مذکور ہے) یہ مسائل و فوائد معلوم ہوتے ہیں؛

۱۔ کوئی مسلمان کافروں کی قید میں آجائے تو اس کو کافروں کی امان قبول کرنے سے انکار کرنا درست ہے (جیسا کہ حضرت عاصمؓ اور اُن کے ساتھیوں نے کیا) اور رخصت پر عمل کرنے کی بھی گنجائش ہے، یعنی یہ کہ کافروں سے امان طلب کرے (جیسا کہ باقی تین حضرات نے کیا)۔

۲۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین سے کوئی عہد ہو تو اس کو پورا کرے، اور اگر ان کی اولاد پر قابو ہو جائے تو اس امید پر کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے قتل نہ کرنا، ثابت ہے،

۳۔ کراماتِ اولیاء کا بھی ثبوت ہوا کہ اللہ جل شانہ نے حضرت خبیبؓ کو بے موسم انگور

دیئے، اور حضرت خُبیبؓ اور حضرت عاصمؓ کی دُعاء اور خواہش پر اُن کے قتل کی خبر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچا دی،

۴۔ مشرکین پر عمومی طور پر بد دعاء کرنا بھی ثابت ہوا،

۵۔ قتل ہوتے وقت نماز پڑھنے کا ثبوت ملا،

۶۔ قتل ہوتے وقت شعر پڑھنا ثابت ہوا،

۷۔ حضرت خُبیبؓ کے پختہ یقین اور دین میں مضبوط ہونے کا پتہ چلا،

۸۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہٗ کو اختیار ہے جس بندہ کو جس طرح چاہیں آزمائش میں ڈالے،

۹۔ مسلم کی دعاء قبول ہوتی ہے،

۱۰۔ اللہ تعالیٰ زندگی میں اور موت کے بعد مؤمن بندوں کا اکرام فرماتے ہیں، کہ شہد کی مکھیاں بھیج دیں اور حضرت عاصمؓ کے جسم کو کافروں سے بچالیا،

تکملہ

علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حضرت خبیبؓ کے دس اشعار نقل کئے ہیں، جو مع ترجمہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ✤ قبائلھم واستجمعوا کل مجمع

"اس میں شک نہیں کہ بہت سی جماعتیں میرے ارد گرد جمع ہو گئی ہیں، اور انھوں نے اپنے قبیلوں کو جمع کر لیا ہے اور پوری طرح جمع ہو گئے ہیں"

۲۔ وقد قربوا ابناءھم ونساءھم ✤ وقربت من جزع طویل ممنع

"اور تحقیق انھوں نے اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو نزدیک کر لیا ہے، اور میں ایک لمبی گھبراہٹ کے قریب کر دیا گیا ہوں جو ختم کی جا رہی ہے"

۳۔ وکلھم یبدی العداوۃ جاھدا ✤ علی لانی فی وثاق بمضیع

"اور ان میں سے ہر ایک خوب کوشش کر کے مجھ پر دشمنی ظاہر کر رہا ہے، کیونکہ میں

بیڑیوں میں بندھا ہوا ہوں اور ہلاک ہونے کی جگہ ہوں "

۴۔ الی اللہ اشکو غربتی بعد کربتی ⁂ وما جمع الاحزاب لی عند مصرع

"اللہ ہی کے حضور میں اپنی بے بسی اور بے چینی کی اور اُن چیزوں کی شکایت کرتا ہوں جو جماعتوں نے میرے لئے پچھاڑنے کے وقت جمع کی ہیں "

۵۔ یذا العرش صبرنی علی ما اصابنی ⁂ وقد بضعوا لحمی وقد قل مطمع

"اے عرش والے مجھے صبر دے اس مصیبت پر جو مجھے پہنچی ہے، اور حال یہ ہے کہ انھوں نے میرے گوشت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں، اور آرزو کی گنجائش بہت کم ہے "

۶۔ وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ ⁂ یبارک علی اوصال شلو ممزع

"اور یہ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے، کہ اگر وہ چاہے تو ٹکڑے کئے ہوئے جسم کے اعضاء میں برکت دیدے گا "

۷۔ وقد عرضوا بالکفر والموت دونہ ⁂ وقد ذرفت عینای من غیر مدمع

"یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے پیش آئے ہیں، حالانکہ موت اس سے ورے ہے، (یعنی انکو اپنی موت کی فکر نہیں ہے جو جلد آجانے والی ہے، جس کے بعد کفر کی غیر متناہی سزا ہوگی) اور حال یہ ہے کہ میری آنکھیں رو رہی ہیں مگر آنسو نہیں ہیں "

۸۔ ومابی حذار الموت انی لمیت ⁂ ولکن حذاری حر نار تلفع

"اور مجھے موت کا ڈر نہیں ہے میں ضرور مرنے والا ہوں لیکن میرا ڈر لپٹ جانیوالی (دوزخ) کی آگ سے ہے (اللہ مجھے اس سے بچائے)

۹۔ فلست بمبدٍ للعدو تخشعاً ⁂ ولا جزعاً انی الی اللہ مرجع

"پس میں دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے والا نہیں ہوں اور نہ گھبراہٹ ظاہر کرنے والا ہوں، بلاشبہ میں اللہ کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں "

۱۰ ولست ابالی حین اقتل مسلما ⁂ علی ای شق کان للہ مصرعی

"اور میں جس وقت مسلمان ہونے کی حالت میں شہید کر دیا جاؤں اس وقت کچھ پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو پر میرا پچھاڑا جانا ہوتا ہے "

(۲۷) ع ۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

ترجمہ :۔ "خبردار اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔"

اس کا دوسرا مصرع یہ ہے :۔

وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَّا مَحَالَۃَ زَائِلٌ

ترجمہ :۔ "اور بلاشک وشبہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے"

شرح بخاری شریف میں صرف پہلا مصرع مروی ہے، جسے امام بخاریؒ نے باب ایام الجاہلیۃ ص ۵۴۱ ج ۱ میں اور کتاب الآداب (ص ۹۰۸ ج ۲ باب مایجوز من الشعر والرجز) میں اور کتاب الرقاق ص ۹۶۰ ج ۲ میں روایت فرمایا ہے، دوسرا مصراع جو ہم نے اس کے بعد لکھ دیا ہے سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے، شعر حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، جو اُن کے ایک قصیدہ کا جزو ہے، جو دس اشعار پر مشتمل ہے،

حضرت لبیدؓ بہت بڑے شاعر تھے، فصاحت و بلاغت میں اُن کا مقام بہت بلند مانا جاتا تھا، "سبعہ معلقہ" میں چوتھے نمبر پر جو قصیدہ ہے وہ اُن کا ہی ہے، بہت بڑے گھوڑ سوار تھے، اور حکمت و دانش کی باتیں اُن کے ذہن پر وارد ہوتی تھیں، کنیت ابو عقیل تھی، انھوں نے اپنا یہ شعر "اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ (خبردار ہر چیز اللہ کے علاوہ فنا ہونے والی ہے) زمانۂ اسلام سے پہلے جاہلیت میں کہا تھا، فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعد میں وہ مسلمان ہوگئے تھے، خلافتِ عثمانیؓ کے دَور میں کوفہ میں وفات پائی، ان کی عمر ایک سَو پچاس سال ہوئی، اور اس سے زیادہ عمر کا بھی قول ہے اھ، الاکمال میں صاحبِ مشکوٰۃ نے ان کی عمر ۱۴۰ بتائی ہے، اور لکھا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سَو ستاون (۱۵۷) سال کی عمر میں اُن کی وفات ہوئی، بہرحال طویل عمر پائی،

وفد بنی کلاب کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا اور قبولِ اسلام بعد شعر کہنا چھوڑ دیا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کے اشعار کے بارے میں جو اُن سے گفتگو کی تو فرمایا کہ مجھے اللہ جلّ شانہٗ نے شعر کے بدلہ میں سورۂ بقرہ دیدی ہے، (اب شعر کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت نے شعر گوئی کی طرف سے

دل پھیر دیا)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعرائے عرب نے جو اشعار کہے ہیں اُن میں سب سے زیادہ سچا شعر لبیدؓ کا شعر ہے،

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ

خبردار ہر چیز اللہ کے علاوہ باطل ہے"

روایت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت لبیدؓ کے اس شعر کو بہت پسند فرمایا، اور کلامِ عرب میں اس کو سب سے زیادہ سچا کلام قرار دیا، یہاں علماء نے اشکال ظاہر کیا ہے، کہ ہر چیز کو باطل یعنی فنا ہونے والی کیوں بتایا، جبکہ جنت دوزخ اور اُن میں مستقل طور پر داخل ہونے والے ہمیشہ رہیں گے، اور دوزخ کا عذاب اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی،

اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور دوام دونوں ذاتی اور حقیقی ہیں، کسی کے وجود دینے سے اس کا وجود نہیں ہے، اور کسی کے باقی رکھنے سے اس کی بقاء نہیں ہے، رہا مخلوق کا وجود اور دوام تو چونکہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی اور ذاتی وجود کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اس کا وجود مجازی ہے، اور جب تک جس کو بقاء ہے محض اللہ جل شانہٗ کے باقی رکھنے سے ہے، اس لئے مخلوق کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی ہر چیز فانی ہے، یعنی اس کا وجود حقیقی اور ذاتی نہیں ہے، یہ بالکل درست ہے،

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاعر نے جو یہ کہا کہ اللہ کے سوا سب باطل یعنی فانی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ جن میں رحمت و عذاب بھی ہے باقی رہے گی، اور اُن کے مظاہر بھی باقی رہیں گے، جو جنت اور دوزخ کی صورت میں ہوں گے،

شاعر کے دوسرے مصراع :-

وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

"اور ہر نعمت بلاشک و شبہ زائل ہونیوالی ہے"

اس پر بھی یہی اشکال ہوتا ہے کہ جنّت کی نعمتیں تو ابدی ہیں اور دوامی ہیں، پھر یہ کیسے کہا کہ ہر نعمت کو زوال ضروری ہے،

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ شعر زمانۂ جاہلیت میں کہا تھا، جب شاعر جنّت و دوزخ کا عقیدہ نہیں رکھتا تھا، اس لئے اُس وقت جو سمجھ میں آیا کہہ دیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مصراع کی تعریف منقول ہے، دوسرے مصرع کی تعریف فرمانا منقول نہیں ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے دنیاوی نعمتیں مراد ہیں، جو سب ختم ہو جائیں گی، ان نعمتوں پر بھروسہ کرنا بیوقوفی ہے، البتہ ایمان اور اعمالِ صالحہ باقیات صالحات ہیں جو آخرت میں کام آنے والی نعمتیں ہیں، اگرچہ اُن کا حصول دنیا میں ہوتا ہے،

(ماخوذ از فتح الباری و عمدۃ القاری و حاشیہ بخاری، ص ۹۶۰، ج ۱)

وَمَاذَا بِالْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ (۲۸) مِنَ الشِّيزٰى[1] تُزَيَّنُ بِالسَّنَامِ

وَمَاذَا بِالْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ (۲۹) مِنَ الْقَيْنَاتِ وَالشَّرْبِ الْكِرَامِ

تُحَيِّيْ بِالسَّلَامَةِ اُمُّ بَكْرٍ (۳۰) وَهَلْ لِيْ بَعْدَ قَوْمِيْ مِنْ سَلَامِ

يُحَدِّثُنَا الرَّسُوْلُ بِاَنْ سَنَحْيٰى (۳۱) وَكَيْفَ حَيَاةُ اَصْدَاءٍ وَّهَامِ

(صحیح بخاری، ص ۵۵۸ ج ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ)

---

[1] الشیزی بسکون المعجمۃ وسکون التحتیۃ بعدہا زاء مقصورۃ وہو شجر یتخذ منہ الجفان والقصاع التی یعمل فیہا الثرید فالمراد بالشیزی ما یتخذ منہا وبالجفنۃ صاحبہا کانہ قال وماذا بالقلیب من اصحاب الجفان الملأی بلحوم اسنمۃ الابل قولہ والقینات ای وماذا بہ من اصحاب المغنیات والشرب بفتح المعجمۃ وسکون المہملۃ جمع شارب کصحب وصاحب وتجر وتاجر والمراد بہم الندامیٰ وقولہ اصداء جمع صدی وہو ذکر البوم وہام جمع ہامۃ بتخفیف المیم وہو الصدی ایضاً فہو عطف تفسیری وقیل الصدی الطائر الذی یطیر باللیل والہامۃ جمجمۃ الرأس وہی التی یخرج منہا الصدی بزعمہم واراد الشاعر انکار البعث بہذا الکلام کانہ یقول اذا صار الانسان کہذا الطائر کیف یصیر مرۃ اخری انساناً؟ وقال اہل اللغۃ کان اہل الجاہلیۃ یزعمون ان روح القتیل الذی لا یدرک ثارہ تصیر ہامۃ فتزقو عند قبرہ وتقول اسقونی اسقونی واذا ادرک بثارہ طارت وذہبت وقیل کانوا یزعمون ان عظام المیت وقیل روحہ تصیر ہامۃ یسمونہا الصدی (من فتح الباری وارشاد الساری)

ترجمہ (۲۸) "۔ اور کیا بتاؤں بدر کے کنویں میں کیا کیا ہے؟ بڑے بڑے پیالوں والے لوگ ہیں جن کے پیالے مزین کئے جاتے تھے اونٹوں کے کوہان کے گوشت سے"۔

(۲۹) "اور کیا بتاؤں کیا کیا ہے بدر کے کنویں میں؟ گانے والی عورتوں کے مالک ہیں اور معزز شریف لوگ ہیں جو شراب پینے والے تھے"۔

(۳۰) "سلامتی کی دعا دیتی ہے اُم بکر، اور کیا میرے لئے میری قوم کے بعد کوئی سلامتی ہے؟"

(۳۱) "رسول ہم سے بیان کرتا ہے کہ ہم عنقریب زندہ ہوں گے، اور کیسے ہوگا زندہ ہونا اُلّو اور کھوپڑیاں بن جانے کے بعد"۔

شرح ۲ھ میں مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو آتے ہوئے ایک سو ساٹھ کیلو میٹر کی مسافت پر ہے، مسلمانوں کی اور مشرکین مکہ کی جنگ ہوئی تھی، مشرکین مکہ بڑے کرّوفر سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے، اور اُن کی تعداد ایک ہزار تھی، اور مسلمان تین سو تیرہ تھے، اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی و فتح نصیب فرمائی، اور مشرکین مکہ کو عبرتناک شکست ہوئی، اُن کو سخت ذلت کا منہ دیکھنا پڑا، اُن کے ستر آدمی مارے گئے، جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، اور ستر آدمی قید کر لئے گئے، جن کو مدینہ منورہ لیجایا گیا جو مشرک اس موقع پر قتل ہوئے تھے اُن میں سے چوبیس آدمیوں کو جو بڑے بڑے سردار تھے بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا، ایک شاعر نے اُن کافروں کا مرثیہ کہا، جو چند اشعار پر مشتمل تھا، جن میں سے چار شعر یہ ہیں جو اوپر نقل کئے گئے، شاعر کا نام شدّاد بن الاسود تھا اور کنیت ابو بکر تھی، دوسری کنیت ابن شعوب تھی، شعوب اس کی ماں کا نام تھا، حافظ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ابن حبیب نے اس شاعر کا نام عمرو بن شمر بتایا ہے اور اُس کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، جو اُس نے زمانۂ کفر میں کہے تھے، بعد میں وہ مسلمان ہوگیا تھا، لیکن ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ مرتد ہوگیا تھا، اس کافر کو اپنے ہم مذہب مشرکین کی شکست پر بہت قلق تھا اُس نے اپنے رنج و غم کی بھڑاس نکالنے کے لئے یہ مرثیہ کہا،

اشعار کا مطلب خلاصہ یہ ہے کہ مال و دولت والے سردار بدر کے کنویں میں ڈالے گئے،

جو بڑے سخی تھے، جن کے دسترخوان پر خوب بڑے بڑے پیالوں میں اونٹ کے کوہان کے گوشت پکے ہوئے اور بھُونے ہوئے رکھ دیئے جاتے تھے، اور یہ بھرے ہوئے پیالے دیکھنے میں خوبصورت معلوم ہوتے تھے، گانے والی عورتوں کے بھی مالک تھے، جو شراب پیتے تھے، اُن کا شمار معززلوگوں میں ہوتا تھا، ہر شخص مرثیہ میں وہی کہتا ہے جو مرنے والے میں دیکھتا ہے، ان کافروں میں شراب و کباب کا دَور رہتا تھا، عورتیں اُن کی ڈیوڑھیوں پر گاتی رہتی تھیں اور حاضرین سنتے تھے، شاعر نے اسی کا ذکر کردیا، کسی مؤمن کا مرثیہ کوئی شخص لکھتا ہے تو اس کے جہاد اور ہجرت و نماز کا ذکر کرتا ہے،

اُمّ بکر شاعر کی بیوی تھی، اس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ ہم کو سلامتی کی دعاء دیتی ہے حالانکہ اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد اب سلامتی کہاں ہے، یہ کہہ کر شاعر انکارِ بعث کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور قیامت کا منکر ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ جو صاحب رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یہ بتلاتے ہیں کہ ہم لوگ مُردہ ہونے کے بعد عنقریب پھر زندہ ہوں گے، حالانکہ جب اُلّوؤں اور کھوپڑیوں کی آوازیں آنے لگیں تو زندگی دوبارہ لوٹنے کا کیا موقعہ ہے،

اُلّوؤں اور کھوپڑیوں کی آوازوں کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے جاہل زمانۂ شرک میں جو طرح طرح کے بیہودہ عقائد اور اوہام میں مبتلا تھے، اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میت کی روح یا اس کی ہڈیاں کھوپڑی کی طرح سے ایک جانور بن کر اُڑ جاتی ہیں، جو اُلّو کی طرح بولتا پھرتا ہے، اور بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اُس کی روح ایک کھوپڑی بن جاتی ہے، اور اُس کی قبر کے پاس اُسْقُوْنِیْ اُسْقُوْنِیْ کہہ کر پکارتی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "مجھے قاتل کا خون پلاؤ" جب قاتل سے بدلہ لے لیا جاتا ہے تو وہ اُڑ جاتی ہے، اور چلی جاتی ہے،

بہرحال شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مر کھپ جائے تو انسان کی رُوح یا ہڈیوں کا اُلّو بنے گا، تو اب زندہ کیسے ہوگا؟

قرآن مجید میں جگہ جگہ منکرینِ بعث کی باتیں اور اُن کے ٹھوس جوابات دیئے گئے، سورۂ یٰسٓ میں ارشاد ہے:۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝

"اور انسان نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا ہے اور اپنی اصل کو بھول گیا، کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب کہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کرے گا؟

اس کے بعد فرمایا:-

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝

"آپ جواب دیجئے کہ اُن کو وہ زندہ کریگا جس نے اول بار میں اُن کو پیدا کیا ہے، اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے" (بیان القرآن)

یہ انسان کا سوال بڑی حماقت اور بیوقوفی کا ہے کہ جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوگئیں، تو اُن میں زندگی کیسے آئے گی؟ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے سب کو پیدا کیا ہے، بھلا جس نے شروع میں پیدا کر دیا وہ دوبارہ کیوں نہ پیدا کر سکے گا،

جس شاعر کے یہ اشعار ہیں اس کی کنیت ابوبکر تھی، اور اس کی بیوی اُم بکر تھی، یہ عورت قبیلہ بنی کلب سے تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت سے قبل اس سے نکاح فرمایا تھا، جب حضرت صدیق رضؓ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو اس کو طلاق دیدی، جس کے بعد اُس نے اپنے چچازاد بھائی شداد بن الاسود سے نکاح کر لیا اس کی کنیت بھی ابوبکر تھی، اور یہ شخص وہی ابوبکر تھا جس کے اشعار کی تشریح ابھی گذری، بعض لوگوں کو دھوکہ ہوگیا کنیت مشترک ہونے کی وجہ سے اور اُمّ بکر (یکے بعد دیگرے) دونوں کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے ان اشعار کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔۔۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سختی سے اس کی تردید فرمایا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ یہ اشعار ابوبکر صدیق رضؓ کے نہیں ہیں، بلکہ دوسرے ابوبکر کے ہیں، جو کافر تھا، حضرت صدیق رضؓ کو بھلا کافروں کی شکست پر کیوں دُکھ ہونے لگا، کافروں کی شکست پر کافر ہی کو رنج ہو سکتا ہے، (فتح الباری)

اب غزوۂ بدر کے کچھ تفصیلی حالات لکھے جاتے ہیں:-

غزوۂ بدر کی تاریخ اسلام میں بہت اہمیت ہے: قرآن مجید میں اس کو یوم الفرقان (فیصلہ کا دن) فرمایا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کے ساتھ مقام بدر تشریف لے گئے، اور مشرکین مکہ اپنے شہر سے چل کر آئے، مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مشرکین اُن سے تعداد میں تین گنا سے بھی زیادہ تھے۔ مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی بہت معمولی تھے اور تھوڑے سے تھے، اور سواریاں بھی کم تھیں، اور مدینہ منورہ سے چلے تھے تو ہر تین آدمی کو ایک اونٹ دیا گیا تھا، نمبروار اترتے اور چڑھتے ہوئے پورا سفر طے کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے، جب آپؐ کے پیدل چلنے کا نمبر آتا تھا تو وہ دونوں عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہؐ آپ سواری پر ہی تشریف رکھیں ہم آپؐ کی طرف سے پیادہ چل لیں گے، آپؐ جواب میں ارشاد فرماتے:

مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰی مِنِّیْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰی عَنِ الْاَجْرِ مِنْکُمَا،	"یعنی تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور نہ میں ثواب کا تم سے کم محتاج ہوں" [1]

تنومیل کا یہ سفر اسی طرح طے ہوا، مشرکین مکہ خوب ہتھیار لائے تھے، کھانے پینے کا سامان بھی اُن کے پاس بہت تھا، ہر منزل پر اونٹ ذبح کرتے، اور کھاتے پیتے تھے، اس گھمنڈ میں تھے کہ اسلام اور مسلمان کا نام ونشان مٹادیں گے، لیکن اللہ جل شانہٗ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے ساتھیوں کی زبردست مدد فرمائی، حضرات صحابہؓ نے آپؐ کے لئے ایک چھپّر سا ڈال دیا تھا، جس کے نیچے آپؐ نے قیام فرمایا اور بارگاہِ خداوندی میں بہت لمبی دُعاء کی، اس موقع پر آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور بہت لمبا سجدہ کیا، اُس وقت آپؐ پر ناز کی کیفیت تھی، آپؐ نے اسی ناز میں عرض کردیا کہ اے اللہ اگر یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو آئندہ دنیا میں کوئی آپ کی عبادت کرنے والا نہیں رہے گا (کیونکہ اور کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، اگر یہ اہل ایمان ختم ہوگئے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۴۰،

آئندہ ایمان کی دعوت دینے والا اور اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا) اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی چادر لے کر (جو الحاح وزاری میں دوش مبارک سے گر گئی تھی) آپ کے دونوں مونڈھوں پر ڈال دی، پھر پیچھے سے آپ کو چمٹ کر عرض کیا کہ یا نبی اللہ آپ نے اپنے رب سے بہت زیادہ عرض معروضی کر لی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ؕ[1]	"یعنی اُس وقت کو یاد کرو جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں تم کو

ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے"

دعا سے فارغ ہو کر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے چھپر سے باہر تشریف لائے:۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔	"دشمنوں کی جماعت عنقریب شکست کھائیگی اور پشت پھیر کر بھاگیں گے"

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص فلاں جگہ مقتول ہو کر گرے گا، اور فلاں شخص فلاں جگہ مقتول ہو کر گرے گا، جب جنگ ہوئی تو ایسا ہی ہوا، جس مشرک کے گرنے کی جو جگہ بتائی تھی ہر ایک اسی جگہ پڑا ملا، ذرا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوا، اس جنگ میں فرشتوں نے بھی شرکت فرمائی، سورۂ انفال کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس میں ایک ہزار فرشتے بطور مدد بھیجنے کا ذکر ہے، سورۂ آلِ عمران میں تین ہزار پھر پانچ ہزار کی تعداد مذکور ہے،

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اوّل اللہ جل شانہٗ نے ایک ہزار فرشتے بھیجے، پھر مزید تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دیئے، پھر اور اضافہ فرمایا حتیٰ کہ پانچ ہزار ہو گئے[2]

---

[1] از بخاری و فتح الباری ۱۲

[2] حاشیہ بخاری، ص ۵۶۳ ج ۲،

جو ستر آدمی مشرکین کے مقتول ہوئے ان میں ابوجہل بھی تھا اور امیہ بن خلف بھی تھا، (یہی وہ امیہ ہے جو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت سزا دیا کرتا تھا) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک موقع پر جب کہ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ تشریف لیگئے تھے امیہ کو بتادیا تھا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تجھے قتل کردیں گے یہ بات اُس کے ذہن میں تھی، جنگ کے لئے آنا نہیں چاہتا تھا، مگر ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے ہی آیا، اور بالآخر دونوں مقتول ہوئے، ابوجہل کو دو انصاری لڑکوں نے قتل کردیا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو تو ابوجہل کا کیا ہوا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے، تو دیکھا کہ وہ مقتولین کی نعشوں کے درمیان پڑا ہے، اور ابھی اس میں کچھ جان باقی ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر فرمایا، تو ابوجہل ہے، اللہ نے تجھے رُسوا کردیا، کہنے لگا اتنی سی ہی تو بات ہے کہ ایک آدمی کو اس کی قوم نے قتل کردیا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُس نے کہا کاش! مجھے کوئی ایسا شخص قتل کرتا جو کاشتکار نہ ہوتا (یہ انصار کے لڑکوں کی طرف اشارہ تھا، یہ اس نے بطور تعلّی کے کہا کہ میں تو سردار قریش ہوں، کوئی قریشی سردار ہی مجھے قتل کرتا، کاشتکاروں کے ہاتھوں قتل ہونے سے گویا اپنی اہانت محسوس کی) اللہ جل شانہ نے اس کو خوب ذلیل کیا۔ اوّل تو نوعمر لڑکوں نے قتل کیا، پھر وہ بھی اس قبیلہ سے تھے جن کے ہاتھ قتل ہونے میں اس نے اپنی بے آبروئی سمجھی، دو لڑکوں کے تلوار مارنے سے قریب الموت ہوگیا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا باتیں کر کے اس کا سر کاٹ کر بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کردیا اور عرض کیا هٰذَا رَأْسُ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبِيْ جَهْلٍ (یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے)

حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر قریش کے ۲۴ سرداروں کے لاشوں کے بارے میں حکم دیا کہ اُن کو بدر کے ایک کنویں میں ڈالدیا جائے، چنانچہ اُن کو ایک بہت بدترین خبیث کنویں میں ڈال دیا، آپؐ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی قوم کے مقابلہ میں فتح یاب ہوتے تھے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے، یہاں بھی تین دن قیام فرمایا تیسرے دن سواری پر سوار ہو کر اُس کنویں کے پاس تشریف لے گئے، آپؐ کے

ساتھ صحابہ کرامؓ بھی تھے وہاں پہنچ کر کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے، اور جن لوگوں کی نعشیں اُس میں پڑی ہوئی تھیں ولدیت کے ساتھ اس کے نام لیکر خطاب فرمایا، کہ اے فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں کیا تم کو یہ بات خوش کرنے والی نہیں ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے؟ ہم نے تو اس کو حق پایا جو ہمارے ربّ نے ہم سے وعدہ کیا تھا، تو کیا تم نے بھی اس کو حق پایا جو تمھارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! جن جسموں میں روح نہیں ہے آپؐ اُن سے کیا بات فرما رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم اس کو ان لوگوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، یعنی یہ لوگ بھی اسی طرح سُن رہے ہیں جیسے تم سُن رہے ہو،

حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں زندگی پیدا فرمادی تھی یہاں تک کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سُنوا دیا جس سے اُن کی سرزنش اور ذلت اور نقمت اور حسرت اور ندامت مقصود تھی[1]

جن لوگوں کو قید کیا گیا تھا وہ بھی ستر آدمی تھے، اُن میں حضرت عباسؓ بھی تھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، یہ بعد میں مسلمان ہوئے، ان قیدیوں کو مال عوض لے کر چھوڑا گیا[2]

اشعار کے حل کرنے کی حد تک تو تین چار صفحات ہی میں مضمون پورا ہو گیا تھا لیکن ہم نے چاہا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کا تذکرہ کر کے خوشی کا اظہار کریں جیسا کہ شداد بن الاسود نے مشرکین کی شکست پر اظہارِ رنج کے لئے مرثیہ کہا تھا، کافر کو کافروں کی شکست سے رنج ہوا اور مؤمن کو اہلِ ایمان کی فتح سے خوشی ہوئی،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَنَا مُؤْمِنِيْنَ

---

[1] بخاری، فتح الباری ۱۲

[2] جمع الفوائد ۱۲

(۳۲) ع وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ

ترجمہ:۔ "اور ہمارے اندر ایک نبی ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں"

شرح حضرت رُبَیِّعْ بنتِ مُعَوِّذْ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز میری رخصتی ہوئی اس کے دوسرے دن صبح کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اور میرے بستر پر ایسے ہی قریب تشریف فرما ہو گئے جیسے تم بیٹھے ہو (یہ انھوں نے اپنے شاگرد خالد بن ذکوانؓ سے فرمایا) اُس وقت چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دَف پیٹ رہی تھیں، اور جنگِ بدر میں جو میرے آباء شہید ہو گئے تھے اُن کی تعریف میں شعر پڑھ رہی تھیں اِسی اثناء میں اُن میں سے ایک لڑکی نے یہ مصرع پڑھ دیا:۔

وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ (اور ہم میں ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں) یہ سُنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مت کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی وہی کہہ، (صحیح بخاری ص ۵۷۰ ج ۲ باب بعد شہود الملائکۃ بدراً، وص ۷۷۳، ج ۲ باب ضرب الدف فی النکاح)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں حضرت رُبَیِّعؓ کے والد معوّذؓ اور چچا عوفؓ یا عوذ شہید ہو گئے تھے، اور دیگر اقارب جیسے حارثہ بن سراقہؓ بھی شہید ہوئے تھے، اُن سب کو ملا کر تغلیباً یہ فرمایا کہ میرے آباء جو شہید ہوئے تھے، چند لڑکیاں ان کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی تھیں،

اس قصّہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت کرنا ممنوع ہے، کیونکہ ایک لڑکی نے جب یہ کہا کہ ہمارے اندر ایک نبی ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مت کہہ وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی، اھ

سننِ ابی داؤد اور سننِ ترمذی اور سننِ ابن ماجہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے، سننِ ابن ماجہ میں یوں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ أَمَّا هٰذَا فَلَا تَقُوْلُوْهُ مَا يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ (یعنی یہ بات مت کہو کیونکہ کل کو جو کچھ ہوگا، اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے)۔

اس مصراع کے ساتھ دوسرا مصراع تھا یا نہیں اور یہ مصراع خود اس لڑکی کی زبان

سے نکل گیا، یا کسی دوسرے صاحب نے کہا تھا اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا،

اس قصہ میں دَف بجانے کا بھی ذکر ہے، بہت سے ناواقف صوفی اور لوگوں کی نفسانی خواہشات کے مطابق احکام تراشنے والے نئے مجتہد اس سے مروّجہ سماع اور گانے بجانے کی محفلوں اور قوالیوں کی مجلسوں کا نہ صرف جواز بلکہ استحباب ثابت کرتے ہیں، یہ اُن لوگوں کی جہالت ہے، کہاں ناسمجھ چھوٹی چھوٹی بچیوں کا دف بجانا وہ بھی بے تکے طریقے پر جس میں ڈھب ڈھب کے سوا کوئی آواز نہ تھی، نہ گھونگرو لگے ہوئے نہ دوسرا کوئی ساز تھا، نہ بچیاں موسیقی جانتی تھیں، اور کہاں موجودہ سماع اور گانے بجانے کی مجلسیں جن میں بنی سجی عورتیں یا بے ریش لڑکے یا بے ریش لڑکوں جیسی صورت بنائے ہوئے قوّال گا رہے ہوں، ہارمونیم بج رہا ہو، طبلہ کی تھاپ ہو، اور سارنگی کی آواز ہو، ان مجلسوں اور محفلوں کے حرام ہونے میں نہ کسی مفتی اور فقیہ کو شک نہ کسی صاحب شریعت صوفی کو، خوب سمجھ لو،

بہت سے لوگ حُبِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دعویٰ کرتے ہیں، اور محبت کے جھوٹے غلبہ میں قرآن و حدیث کی صاف تصریحات کو بھی پشت کے پیچھے ڈال دیتے ہیں، اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہنے سے روک دیا کہ "ہمارے اندر ایک نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات جانتے ہیں" لیکن مدّعیانِ محبّت کو اس کی ضد ہے کہ آپؐ کو "عالم الغیب" کہیں، جب کوئی شخص اپنی ذاتی نکالی ہوئی بات کی پچ میں پڑ جاتا ہے تو اُس کی سمجھ میں حق بات اُتارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے،

آخر میں اتنی بات اور رہ جاتی ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت رُبَیّع رضؓ کے پاس کیسے تشریف فرما ہوئے جبکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ خاتون آپؐ کی محرم تھیں؟ اس سوال کے کئی جواب ہیں:۔

اوّل: یہ کہ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، کیونکہ غزوۂ بدر کے چند دن بعد ہی حضرت ربیّع رضؓ کی شادی ہوئی تھی، غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا تھا، جبکہ پردہ کا حکم ۵ھ میں حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمانے کے

بعد اس وقت نازل ہوا جب حضرات صحابہؓ کو ولیمہ کھلانے کے لئے بلایا تھا، اور چند آدمی آپؐ کے گھر میں رہ گئے تھے،

دوسرے اس کی کوئی دلیل نہیں کہ مذکورہ خاتون نے منہ کھول رکھا تھا، اور خلوت تو بہر حال تھی ہی نہیں، کیونکہ وہاں چند لڑکیاں موجود تھیں، بہت سے پیر فقیر بالکل بے محابا مریدنیوں کے پاس گھروں میں بلا پردہ چلے جاتے ہیں، اور عورتوں کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ پیر میاں ہیں ان سے کیا پردہ ہے، ایسے جاہل اور بے عمل پیر نہ شریعت سے واقف ہیں نہ طریقت کو جانتے ہیں، خود تو ڈوبے ہیں مُریدوں کو بھی ڈبو رکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پردہ کا خاص اہتمام تھا، سنن ابو داؤد میں ہے کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ایک پرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپؐ نے اپنا ہاتھ روک لیا، اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کس کا ہاتھ ہے، مرد کا یا عورت کا؟ وہ کہنے لگی یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپؐ نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو (مہندی سے) بدل لیتی (تاکہ مَردوں کی مشابہت نہ رہتی)،

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عورت پردہ کے پیچھے تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہاں پردہ کا خاص اہتمام تھا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کو بیعت فرماتے تھے تو ہاتھ میں ہاتھ نہیں لیتے تھے، آپؐ نے صاف فرما دیا تھا کہ

اِنِّیْ لَا اُصَافِحُ النِّسَاءَ ، [1] | "یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے کسی بھی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، عورتوں کو آپؐ کا بیعت فرمانا زبان سے ہوتا تھا، آپؐ فرما دیتے تھے قَدْ بَایَعْتُکِ (میں نے تجھے بیعت کر لیا)۔

(مشکوٰۃ المصابیح از بخاری و مسلم)

---

[1] جمع الفوائد، ۱۲

حَصَانٌ رَزَانٌ مَّا تُزَنُّ بِرِيْبَةٍ ﴿۳۳﴾ وَتُصْبِحُ غَرْثٰی مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاک دامن ہیں باوقار ہیں، اُن کو کسی بات کی کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی، اور وہ غافل عورتوں کے گوشت کی جانب سے بھوکی رہتی ہیں“ (صحیح بخاری، ص ۵۹۷ ج ۲، باب حدیث الافک ، ص ۶۹۹ ج ۲ تفسیر سورۃ النور)

شرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں غزوۂ بنی المصطلق کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جس کو غزوۂ امریسیع بھی کہا جاتا ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو سفر میں ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈال لیتے تھے، جس کا نام نکلتا اُسی کو ساتھ لے جاتے تھے، اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نکل آیا، آپؐ اُن کو سفر میں ساتھ لے گئے غزوہ سے فارغ ہونے کے بعد جب واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قافلہ سے ہٹ کر ذرا دور قضائے حاجت کے لئے گئیں وہاں ہار گم ہو گیا، وہ اس کے ڈھونڈھنے کو دوبارہ وہیں گئیں، اور قافلہ روانہ ہو گیا، چونکہ ہلکی پھلکی تھیں، اس لئے ہودج کو اونٹ پر رکھ دیا گیا، اور اٹھانے والوں کو اس کا احساس نہ ہوا کہ وہ اس کے اندر نہیں ہیں، جب وہ ہار تلاش کر کے واپس آئیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے، وہ اُسی جگہ یہ سمجھ کر لیٹ گئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہودج میں نہ پائیں گے، تو یہیں تلاش کرالیں گے، ایک صحابی کو جن کا نام صفوان بن معطل رضؓ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام پر مامور فرما رکھا تھا کہ قافلہ کے پیچھے چلا کریں، اور گری پڑی چیز اٹھا لیا کریں، وہ پیچھے سے آرہے تھے، انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو دیکھ لیا، اور آپ کے پاس اونٹ لا کر بٹھا دیا، آپ اونٹ پر بیٹھ گئیں، اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دیئے، حتیٰ کہ دوپہر کے وقت قافلہ کو پالیا، منافقین نے اس کا ایک بتنگڑ بنا دیا، اور بہت سخت تہمت لگادی، جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت پریشانی ہوئی، اس تہمت کے اٹھانے والے اور چرچا کرنے والے منافقین تھے، اور منافقین کے سردار ابن ابی سلول نے اس فتنہ کو بہت بھڑکایا، منافقین کے ساتھ مخلص مسلمانوں میں سے بھی ایک عورت اور دو مرد ہو گئے تھے،

دو مردوں کے نام یہ ہیں: حضرت مسطح بن اثاثہ رضؓ اور حضرت حسان بن ثابت رضؓ، اور عورت جو اس میں شریک ہوگئی تھی وہ حضرت حمنہ بنتِ جحش تھیں،

ایک ماہ تک منافقین اس کا چرچا کرتے رہے، اور رو رو کر حضرت عائشہ رضؓ کا برا حال ہوگیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت پریشانی رہی، آپؐ نے تحقیق تفتیش بھی کی اور حضرات صحابہ رضؓ سے مشورہ بھی کیا، اس طویل عرصہ میں اس بارے میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، پھر اللہ جل شانہٗ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں سورۂ نور کی دس آیات نازل فرمائیں، جو اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ، سے شروع ہیں، جب قرآن مجید میں حضرت عائشہ رضؓ کی برات نازل ہوئی تو جن لوگوں نے اس تہمت میں حصہ لیا اُن کو حدِ قذف لگائی گئی، یعنی اسی کوڑے لگائے گئے، چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس جھوٹ اٹھائی ہوئی بات کے سلسلہ میں حضرت حسان رضؓ بھی شریک ہوگئے تھے، اس لئے اس کی تلافی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں قصیدہ پڑھا کرتے تھے،

صحیح بخاری و مسلم میں اس قصیدہ کا پہلا شعر ؎

حَصَانٌ رَزَانٌ مَاتُزَنُّ بِرِیْبَةٍ ✣ وَتُصْبِحُ غَرْثیٰ مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

نقل کیا ہے، اس قصیدہ کے دوسرے اشعار حضرت حسان رضؓ کے دیوان میں موجود ہیں، اور ان میں سے بعض جمع الفوائد میں بھی نقل کئے ہیں، ہم پورے اشعار مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:۔

شعر (۱)

حَصَانٌ رَزَانٌ مَاتُزَنُّ بِرِیْبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثیٰ مِنْ لُحُوْمِ الْغَوَافِلِ

ترجمہ:۔ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پاک دامن ہیں، باوقار ہیں، ان کو کسی بات کی کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اور وہ غافل عورتوں کے گوشت (کھانے) کی جانب سے بھوکی رہتی ہیں (یعنی پیٹھ پیچھے کسی کی غیبت نہیں کرتیں، قرآن مجید میں کیونکہ مسلمان بھائی کی غیبت کرنے کو اس کا گوشت کھانے کے برابر بتایا ہے، اس لئے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا کہ وہ غافل عورتوں کے گوشت سے بھوکی رہتی ہیں)"

شعر ۲:
حَلِيلَةُ خَيْرِ النَّاسِ دِيْنًا وَّ مَنْصِبًا
نَبِيِّ الْهُدٰى وَالْمُكْرِمَاتِ الْفَوَاضِلِ

ترجمہ: "یہ ایسی ذات مقدس کی بیوی ہیں جو دین اور مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں، آپ ہدایت والے نبی ہیں، اور آپ کی خصلتیں سب بزرگی والی ہیں، جن کے کمالات بہت بڑھے ہوئے ہیں۔"

شعر ۳:
عَقِيلَةُ حَيٍّ مِّنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ
كِرَامِ الْمَسَاعِيْ مَجْدُهَا غَيْرُ زَائِلٍ

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لوی ابن غالب کے قبیلہ کی عمدہ ترین خاتون ہیں، یہ ایسا قبیلہ ہے جس کی کوششیں بزرگی کی طلب میں خرچ ہوتی ہیں، اس قبیلہ کی بزرگی ختم ہونے والی نہیں ہے۔"

شعر ۴:
مُهَذَّبَةٌ قَدْ طَيَّبَ اللّٰهُ خِيْمَهَا
وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ بَاطِلِ

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی خاتون ہیں کہ اللہ نے اُن کی طبیعت کو خوب پاکیزہ بنایا ہے اور ہر بُرائی اور خرابی سے اُن کو پاک کر دیا ہے۔"

شعر ۵:
فَإِنْ كُنْتُ قَدْ قُلْتُ الَّذِيْ قَدْ زَعَمْتُمْ
فَلَا رَفَعَتْ سَوْطِيْ إِلَيَّ أَنَامِلِيْ

ترجمہ: "پس اگر میں نے اپنے پاس سے وہ کہا ہے جس کا تم لوگ میرے بارے میں خیال کرتے ہو تو خدا کرے میری انگلیاں میرے کوڑے کو نہ اُٹھائیں، (یعنی میرا ہاتھ شل ہو جائے)۔"

شعر ۶:
وَإِنَّ الَّذِيْ قَدْ قِيْلَ لَيْسَ بِلَائِطٍ
بِهَا الدَّهْرَ بَلْ قَوْلُ امْرِئٍ بِيْ مَاحِلِ

ترجمہ: "اور بے شک جو کچھ اُن کے بارے میں کہا گیا ہو وہ اُن کی ذات سے بے تعلق ہے بلکہ وہ ایک چغلخور کی بات ہے جس کے کہنے میں میں آگیا۔"

شعر ۷ : فَكَيْفَ وَوُدِّي مَا حَيِيْتُ وَنُصْرَتِي
لِآلِ نَبِيِّ اللّٰهِ زَيْنِ الْمَحَافِلِ

ترجمہ : "پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے (کہ میں خود سے وہ بات کہوں) جو میری طرف منسوب کی گئی، حالانکہ میں جب تک زندہ ہوں میری محبت اور نصرت اللہ کے نبی ؐ کے گھر والوں کے لئے ہے وہ آلِ نبی ؐ جو محفلوں کی زینت ہیں"

شعر ۸ : لَهٗ رُتَبٌ عَالٍ عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

ترجمہ : "اُن حضرات کے مرتبے سب لوگوں سے بلند ہیں، جو شخص مقابلہ کرنا چاہے اس کی دوڑ دھوپ اُن کے مرتبہ تک قاصر رہ جائے گی"

شعر ۹ : رَأَيْتُكِ وَلْيَغْفِرْ لَكِ اللّٰهُ حُرَّةً
مِنَ الْمُحْصَنَاتِ غَيْرَ ذَاتِ غَوَائِلِ

ترجمہ : "اے عائشہ رض! میں نے آپ کو دیکھا ہے، ایک شریف عورت پاکدامن عورتوں میں سے ہیں، جن کی خصلتیں خراب نہیں ہیں، اور اللہ آپ کی مغفرت کرے"

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنا یہ شعر حَصَانٌ رَزَانٌ الخ سنایا تو انھوں نے فرمایا لٰكِنَّكَ لَسْتَ كَذٰلِكَ (لیکن تم ایسے نہیں ہو) یعنی اگر دوسروں کی غیبت نہ کرنا اور تہمت لگانے سے باز رہنا اچھی بات ہے تو تم کو بھی ایسا ہی ہو جانا چاہئے، لیکن تم ایسے نہیں ہو،

یہ اشارہ تھا اس واقعہ کی طرف جس میں حضرت حسان رض نے منافقین کی باتوں سے متاثر ہو کر حصہ لے لیا تھا، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تہمت لگانے کی کوڑوں کی سزا بھی مل گئی، اور پھر آخر میں نابینا بھی ہو گئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اس سے بڑھکر اور کیا سزا ہو گی کہ اچھا خاصا آدمی نابینا ہو جائے،

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا آپ اُن کو اپنے پاس آنے دیتی ہیں؟ تو فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مشرکین کو جواب دیتے تھے، اور یہ ہجو گوئی میں

مشرکین کا مقابلہ کرتے تھے (یعنی وہ مداحِ رسولؐ ہیں، قابلِ احترام ہیں، اس لئے اُن کی رعایت ضروری ہے) انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں یہ کہا کہ

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي ÷ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

یہ شعر اور اس کے ساتھ کے دوسرے اشعار مع ترجمہ و شرح آئندہ صفحات پر ملاحظ فرمائیے؛

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي (۳۴) لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ: "پس تحقیق میرا باپ اور دادا اور میری آبرو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے تم سے آڑ ہیں، (یعنی آپؐ کی آبرو کے بچانے کے لئے میری آبرو اور سارا کنبہ قبیلہ قربان ہے) تم لوگ اُن کی ہجو کروگے تو ہم دفاع کے لئے موجود ہیں"

(بخاری، ص ۵۹۴ ج ۲ باب حدیث الافک)

شرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ نبوت میں شعرائے اسلام میں سے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں قصیدے کہتے رہتے تھے، اور دشمنوں نے جو جنگیں ہوتی تھیں اپنے اشعار میں اُن کا تذکرہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شجاعت اور دلیری بیان کرتے تھے، جو مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کوئی ایسا قصیدہ کہتے تھے جس میں آپؐ کے بارے میں نامناسب باتیں کہی گئی ہوں تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ اُن کا جواب دیتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے، جس پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فخریہ اشعار کہتے تھے اور مشرکین کا جواب دیتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بے شک اللہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حسان کی تائید فرماتا ہے، جب تک وہ اللہ کے رسولؐ کی جانب سے دفاع کرتے ہیں (صحیح بخاری)

درحقیقت اس زمانہ میں یہ بھی بہت بڑا اسلامی کام تھا، کیونکہ مشرکین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے جا باتیں کہتے تھے اور اپنے قصیدے مشہور کرتے تھے، اس وقت ضروری تھا کہ شعر کا شعر سے مقابلہ کیا جائے، اور دشمن کی باتوں کا ڈٹ کر جواب دیا جائے، مشرکین اپنی ہجو کے اشعار سُنکر بہت متأثر ہوتے تھے

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ قریش یعنی مشرکین مکہ کی ہجو کرو، کیونکہ یہ اُن پر تیر لگنے سے زیادہ شدید ہے (مسلم)

جس طرح تلوار سے جہاد ہوتا ہے مال خرچ کرکے بھی ہوتا ہے اور زبان کے ذریعے بھی ہوتا ہے، سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ،	"یعنی مشرکین سے جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں اور زبانوں سے"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافروں کو اپنے اشعار کے ذریعہ خوب مُنہ توڑ جواب دیئے، اور اس دینی خدمت کو پوری طرح انجام دیا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هَجَاهُمْ حَسَّانُ فَشَفَىٰ وَاشْتَفَىٰ، "یعنی حسان نے مشرکین کی ہجو کی، اور مسلمانوں کو اس کے ذریعہ شفا دی اور خود بھی شفایاب ہوئے" (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو ایسے ایسے جواب دیئے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ آرزو نہ رہی کہ کوئی خوب اچھا جواب دیتا، حضرت حسان رضؓ نے مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا اور دشمنوں کو شاعری میں بھی خوب نیچا دکھایا، چونکہ حضرت حسان رضؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے، اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دفاع کرتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضؓ کو یہ پسند نہ تھا کہ اُن کو بُرا کہا جائے، حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ حسان وہ شخص ہیں جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں یہ کہا ہے فَاِنَّ اَبِيْ وَوَالِدَهٗ وَعِرْضِيْ الخ یہ شعر

یہ شعر مع ترجمہ اوپر لکھ دیا گیا ہے، جس قصیدہ کے یہ اشعار ہیں وہ ایک لمبا قصیدہ ہے جو دیوانِ حسان رضؓ کے بالکل شروع میں مذکور ہے، اور اس میں سے گیارہ اشعار صحیح مسلم میں بھی مروی ہیں، ہم صحیح مسلم والے اشعار مع ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس قصیدہ کے کہنے کا باعث کیا تھا،

بات یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ابن عبدالمطلب نے آپؐ کی شانِ اقدس میں ہجو کا قصیدہ کہا تھا، اس کے جواب میں حضرت حسان رضؓ

نے بطورِ دفاع یہ قصیدہ کہا تھا کہ ابو سفیان بن حارث فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد شرم کے مارے انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کبھی سر نہیں اٹھایا، کیونکہ بُرائی ایذاء رسانی کی وجہ سے سخت پشیمان اور شرمندہ تھے،

اب حضرت حسانؓ کے اشعار مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جو صحیح مسلم میں مروی ہیں،

۱۔ هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ ٭ وَعِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ

ترجمہ: "تو نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص بیان کی، پس میں نے اس کا جواب دیا، اور (میرے لئے)... اللہ کے نزدیک اس میں بہت بڑی جزاء ہے"

۲۔ هَجَوْتَ مُحَمَّدًا بَرًّا تَقِيًّا ٭ رَسُولَ اللّٰهِ شِيمَتُهُ الْوَفَاءُ

ترجمہ: "تو نے محمدؐ کی شانِ اقدس میں نامناسب باتیں کہیں جو حسن سلوک والے ہیں، متقی ہیں، اللہ کے رسولؐ ہیں، اُن کی خصوصی خصلت وفاداری ہے"

۳۔ فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي ٭ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ: "پس تحقیق میرا باپ اور میرے باپ کا باپ اور میری آبرو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آبرو کے لئے تم سے آڑ ہے (یعنی آپؐ کی آبرو کی حفاظت کے لئے ہم سب قربان ہیں"

۴۔ ثَكِلْتُ بُنَيَّتِي إِنْ لَمْ تَرَوْهَا ٭ تُثِيرُ النَّقْعَ غَايَتُهَا كَدَاءُ

ترجمہ: "میں اپنی جان کو گم کردوں اگر تم ہمارے گھوڑوں ہیں اس حال میں نہ دیکھو کہ وہ غبار اڑا رہے ہیں اور ان کے سفر کا منتہا کداء ہے (جو مکہ میں داخل ہوتے وقت ایک گھاٹی پڑتی ہے)"

۵۔ يُبَارِينَ الْأَعِنَّةَ مُصْعِدَاتٍ ٭ عَلَى أَكْتَافِهَا الْأَسَلُ الظِّمَاءُ

ترجمہ: "یہ گھوڑے جھگڑتے ہیں اپنی باگوں سے آگے بڑھتے ہوئے (کہ ہم کو آگے بڑھنے دو) اُن کے مونڈھوں پر نیزے ہیں جو (دشمن کے خون کے) پیاسے ہیں"

۶۔ تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ ﴿﴾ تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

ترجمہ: "ہمارے عمدہ گھوڑے تیزی سے آگے بڑھتے ہیں، جن کو عورتیں دوپٹوں کے ساتھ تھپیڑے مارتی ہیں، (یعنی ان گھوڑوں کی پرورش بڑے ناز کے ساتھ ہوتی ہیں، عورتیں اپنے دوپٹوں سے اُن کے چہرے جھوتی اور صاف کرتی ہیں)۔

۷۔ فَإِنْ أَعْرَضْتُمُوا عَنَّا اعْتَمَرْنَا ﴿﴾ وَكَانَ الْفَتْحُ وَانْكَشَفَ الْغِطَاءُ

ترجمہ: "پس (اے مشرکو!) اگر تم ہم سے اعراض کرو تو ہم عمرہ کرلیں گے اور فتح ضرور حاصل ہوگی، اور پردہ ہٹ جائے گا، (یعنی اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا ہے کہ مکہ فتح ہوگا یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا، اور پیشین گوئی کا نتیجہ سب کے سامنے ظاہر ہوجائے گا)

۸۔ وَإِلَّا فَاصْبِرُوا لِضِرَابِ يَوْمٍ ﴿﴾ يُعِزُّ اللهُ فِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

ترجمہ: "اگر تم اعراض نہیں کرتے یعنی عمرہ کے لئے (راستہ نہیں دیتے) تو ایسے دن کی مار دھاڑ کا انتظار کرو جس میں اللہ جسکو چاہے گا عزت دے گا (یعنی اہل اسلام کی اس دن عزت ہوگی)"۔

۹۔ وَقَالَ اللهُ قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْدًا ﴿﴾ يَقُولُ الْحَقَّ لَيْسَ بِهِ خِفَاءُ

ترجمہ: "اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے، میں نے بھیجا ہے ایک بندے کو رسولؐ بنا کر، وہ حق کہتا ہے جس کی بات میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے"

۱۰۔ وَقَالَ اللهُ قَدْ يَسَّرْتُ جُنْدًا ﴿﴾ هُمُ الْأَنْصَارُ عُرْضَتُهَا اللِّقَاءُ

ترجمہ: "اور اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ میں نے آسانی دیدی ہے ایک لشکر کو، یہ حضرات انصار ہیں (جو دشمن سے جنگ کرنا اور فتح پانا جانتے ہیں) اور جو دشمنوں سے مڈبھیڑ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں"۔

۱۱۔ يُلَاقِي كُلَّ يَوْمٍ مِنْ مَعَدٍّ ﴿﴾ سِبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ هِجَاءُ

ترجمہ: "روزانہ بنی معد سے دل آزار باتیں کرنا یا اُن سے جنگ کرنا یا اُن کی ہجو کرنا (ہمارا کام ہے، یہ چیزیں) بنی معد سے ملاقات کرتی ہیں، (یعنی مکہ معظمہ کے جو مشرکین اسلام کے خلاف

لگے ہوتے ہیں ہم اُن کے علاج میں معروف رہتے اور کسی نہ کسی طرح اُن کی کاٹ کرتے رہتے ہیں)

۱۲۔ فَمَنْ یَّھْجُوْ رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْکُمْ ❊ وَیَمْدَحُہٗ وَیَنْصُرُہٗ سَوَاءٌ

ترجمہ: "پس جو شخص تم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بُرائی بیان کرے یا تعریف کرے یا مدد کرے یہ سب برابر ہے، (کیونکہ تمھاری بدگوئی سے اُن کو کوئی نقصان نہیں اور تمھاری مدح سے اُن کو کوئی نفع نہیں اور تمھاری مدد کی اُن کو کوئی حاجت نہیں)

۱۳۔ وَجِبْرِیْلُ رَسُوْلُ اللّٰہِ فِیْنَا ❊ وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَیْسَ لَہٗ کِفَاءٌ

ترجمہ: "اور جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے پیغام لانے والے ہیں، جو ہمارے اندر موجود ہوتے ہیں، اور اُن کا لقب روح القدس ہے، اُن کی کوئی نظیر نہیں"

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک سو بیس سال عمر ہوئی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ سال زمانہ اسلام میں پائے، حاشیہ بخاری، ص ۵۹۴ ج ۲ میں شارح کرمانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسانؓ کے والد کا نام ثابت اور دادا کا نام منذر اور پر دادا کا نام حرام تھا، ان چاروں میں سے ہر ایک نے ایک سو بیس سال عمر پائی، واللہ اعلم

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ۝۳۵ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّکَ مَا اَبْقَیْنَا ۝۳۶ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ۝۳۷ اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا
۝۳۸ وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا ۝۶

ترجمہ (۳۵) "اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے، نہ نماز پڑھتے"

(۳۶) "پس تو بخش دے جو کچھ گناہ ہم نے اب تک کئے ہیں ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اور ہمارے قدم جما دینا، اگر (دشمنوں سے) ہماری مڈبھیڑ ہو جائے"

(۳۷) "اور تو ہم پر سکون اور اطمینان ڈال دے، بلاشبہ جب ہم کو (باطل کے لئے) چیخ کر بلایا جاتا ہے تو ہم انکار کرتے ہیں"۔

(۳۸) "اور (آپس میں) بلند آواز سے (ایک دوسرے کو بُلا کر) ہمارے خلاف انھوں نے مدد طلب کی ہے" (صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر، ص ۶۰۳، ج ۲ و ص ۹۰۸ ج ۲ باب مایجوز من الشعر والرجز)

شرح یہ اشعار حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے ہیں، سنہ ۷ھ میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔

حضرت عامرؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عامرؓ شاعر آدمی تھے، اسلامی لشکر میں جو حضرات تھے، اُن میں سے کسی نے حضرت عامرؓ سے کہا کہ کچھ دل لگی کی چیزیں سناؤ، وہ اپنی سواری سے اُترے اور حُدیٰ[1] پڑھتے ہوئے چلنے لگے اور اوپر جو اشعار لکھے ہیں اُن کو پڑھتے رہے،

(یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دینی مزاج کی بات ہے، کہ وقت کاٹنے کے لئے اور سفر کی مسافت قطع کرنے کے لئے بھی ان کا شاعر ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جو اللہ کے ذکر اور شکر پر مشتمل ہیں، اور جن میں بار بار شجاعت اور بہادری پر اُبھارا جا رہا تھا اور اللہ سے مدد کا سوال کیا جا رہا تھا)

یہ اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سُن لئے، آپؐ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو (قافلہ کا) سائق ہے، (چونکہ یہ صاحب بطور حُدیٰ اشعار پڑھ رہے تھے، اور قافلہ کو اشعار سنا سنا کر لے کر چل رہے تھے اس لئے ان کو سائق فرمایا)

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ سائق عامر بن الاکوع ہیں، آپؐ نے فرمایا یَرْحَمُهُ اللّٰهُ (اللہ کی اس پر رحمت ہو) اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عامرؓ نے خود جواب دیا کہ میں عامر ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ (اللہ تجھے

---

[1] اہلِ عرب اونٹوں پر سواری کرتے ہوئے اشعار پڑھتے جاتے جس سے اونٹ کیف میں آجاتا تھا، اور خوب جوش اور تیزی سے چلتا تھا، اس کو حُدیٰ کہتے تھے ۱۲

بخش دے) جب آپؐ نے یہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ (ان کے لئے جنت) واجب ہوگئی، (کیونکہ آپؐ کا یرحمہ اللہ فرمانا اور مغفرت کی دعاء دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عامرؓ عنقریب ہی شہید ہوں گے)۔

پھر عرض کیا کہ یا نبی اللہؐ آپؐ نے ہم کو ان سے (مزید) فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا؟ (یعنی آپؐ نے ایسی دعاء فرمائی جس سے مستقبلِ قریب میں شہید ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ دعاء ابھی نہ فرماتے، یا اس کے بجائے درازیِ عمر کی دعاء فرما دیتے)

اس کے بعد لشکر چلتا رہا، اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ رات کو خیبر پہنچے، آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی قوم کے علاقہ میں رات کو پہنچتے تھے تو صبح تک وہاں کے باشندوں کے قریب نہیں جاتے تھے، صبح ہوجانے پر اذان کا انتظار فرماتے تھے، اگر اذان کی آواز آجاتی تو رُک جاتے ورنہ حملہ کردیتے تھے، (لہٰذا آبادی سے دور قیام پذیر رہے) جب صبح ہوگئی تو یہودی آبادی سے اپنے (کسب کے آلات) پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر نکلے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو بول اٹھے وَاللّٰہِ مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِیْسُ (کہ اللہ کی قسم: محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ پہنچ گئے) آپؐ نے اس پر فرمایا:۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا اَنْزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ (اللہ سب سے بڑا ہے، بلا شبہ جب ہم کسی قوم کی سرزمین میں اُتر جائیں تو اُن لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی، جن کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا گیا (مگر وہ نہ ڈرے، اور کفر پر جمے رہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لشکر کے ساتھ دیکھ کر یہودی قلعوں میں پناہ گزین ہوگئے، ان لوگوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے، انہی میں رہتے تھے، جب یہ لوگ قلعوں میں پناہ گزین ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ کے دوران حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت تکلیف پہنچی، اور سخت بھوک سے دوچار ہوئے[1]،

---

[1] بخاری و مسلم، ۱۲

ایک ایک کر کے قلعہ فتح ہوتا جاتا تھا، سب سے آخر میں یہودیوں نے اپنے قلعہ وطیح اور سلالم میں پناہ لی، یہ دونوں قلعے سب سے آخر میں فتح ہوئے، قلعوں کا محاصرہ دس پندرہ دن رہا، (بذل المجہود از تاریخ الخمیس) اور آخری فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی، جس رات کی صبح کو فتح ہونے والا تھا اُس رات میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ فتح یابی نصیب فرمائیگا، یہ ایسا شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں، رات بھر لوگ خیالات دوڑاتے رہے کہ دیکھو کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے، صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے، اور ہر ایک کو یہ امید تھی کہ مجھے جھنڈا عطا ہوگا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ اُن کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں، فرمایا اُن کو بلاؤ، چنانچہ اُن کو لایا گیا، جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا، اور اُسی وقت اُن کی آنکھیں اچھی ہوگئیں گویا کہ کوئی تکلیف ہی نہ تھی، اُن کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جھنڈا دیا اور فرمایا کہ جاؤ ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے حقوق جو اُن پر واجب ہیں بتادو، اللہ کی قسم تیرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تیرے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے،[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈا لے کر آگے بڑھے، یہودیوں کا سردار اکڑتے مکڑتے ہوئے اور تلوار کو اوپر نیچے کرتے ہوئے نکلا، اور اس نے دست بدست مقابلہ کے لئے چیلنج کیا، اور یہ رجز یہ کلمات کہے ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبٗ ؛ شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٗ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبٗ

---

[1] صحیح بخاری ۱۲ اہلِ عرب کو سُرخ اونٹ بہت پسند تھے، اگر مفت مل جائیں تو پھر کیا کہنا، اسی کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے ۱۲

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں کے ساتھ مکمل طریقہ پر مضبوط ہوں، آزمایا ہوا پہلوان ہوں، جس وقت کہ جنگیں شعلہ زن ہونے لگیں"

اُس کا چیلنج سُنکر حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور یہ شعر پڑھا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ عَامِرٌ ؛ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّغَامِرٌ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار لگائے ہوئے پوری طرح مضبوط ہوں، پہلوان ہوں سختیوں میں گھس جانے والا ہوں"

اس کے بعد دونوں جانب سے دو وار ہوئے، پھر حضرت عامرؓ کی تلوار مرحب کی ڈھال میں گڑ گئی، حضرت عامرؓ نے چاہا کہ نیچے جُھک کر مرحب پر حملہ کریں، لیکن خود اُن کی اپنی تلوار اُن کو لگ گئی، جس سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی، اور بعض روایات میں ہے کہ ہاتھ کی رگ میں زخم آگیا، کسی روایت میں ہے کہ بہت زیادہ زخمی ہوگئے، جس کی وجہ سے اُن کی وفات ہوگئی،

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرحب کا مقابلہ ہوا، مرحب نے وہی رجزیہ کلمات کہہ کر مقابلہ کی دعوت دی، اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پڑھا ؎

اَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ اُمِّيْ حَيْدَرَهْ ؛ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

اُوْفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہی ہوں جس کی ماں نے حیدر[۱] نام رکھا، جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں، جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہو، میں دشمنوں کو اُن کی خوراک (یعنی قتل) بھرپور پیمانے کے ذریعہ پیش کرتا ہوں"

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا، اور اس کو قتل کر دیا، یہودیوں کا سردار قتل ہوگیا[۲] یہودیوں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، خیبر فتح ہوا،

ف۱ "حیدر" لغت میں شیر کو کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے ان کا نام علیؓ اور والدہ نے حیدر رکھا تھا، اس موقع پر حضرت علیؓ کا اپنے اس نام کو ظاہر کرنا اس لئے مناسب تھا کہ مرحب نے خواب دیکھا.. کہ مجھے ایک شیر قتل کرے گا، مقصود یہ تھا کہ اس کو ڈرا دیں، اور یقین دلا دیں کہ تو ابھی مرنے والا ہی ۱۲ ف۲ صحیح مسلم وفتح الباری ۱۲

اور غلیمت میں بہت بڑی اراضی اور اموال کثیرہ ہاتھ آئے،

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد جب واپس ہو رہے تھے تو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور مجھے غمگین حالت میں دیکھ کر فرمایا کہ تمھیں کیا ہوا (غم کی کیا بات ہے؟)، میں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے سب اعمال ضبط یعنی ختم ہو گئے (اُن کو کوئی ثواب ملے گا، کیونکہ وہ اپنی تلوار سے مقتول ہو گئے) آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے، جس نے ایسا کہا ہو، بلاشبہ اُس کے لئے دُو اجر ہیں، اور (آپ نے دُو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ بلاشبہ وہ جاہد تھا اور مجاہد تھا (یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مشقت اٹھانے والا اور اُس کے دشمنوں سے جنگ کرنے والا تھا اور اسی حال میں اس کی موت واقع ہوئی ہے) ایسے عربی کم ہیں جو اس جیسے[ع] ہوں[ا]،

حضرت عامر بن الاکوع[ع] کا تیسرا مصرع فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ہے، اس میں شراح نے فِدَاءً لَّكَ پر بہت اشکال کیا ہے، کہ "تجھ پر فدا ہوں" یہ تو اس کے لئے بولا جاتا ہے جو فانی ہو جس کی جان جانے والی ہو، اللہ تعالیٰ حیّ وقیّوم ہے، اس کے لئے یہ کیسے بولا گیا؟ پھر اس کے کئی جواب دئیے ہیں، اور بعض جوابات پر اشکال بھی کیا ہے، ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے سب اشکالات دُور ہو جاتے ہیں، "یعنی اے اللہ ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اس کو مٹنے نہ دیں گے اپنی جان پر کھیل جائیں گے، مگر تیرے دین کو باقی رکھیں گے"، اس میں صرف مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے، تقدیرِ عبارت یوں ہو گی

[ا] صحیح بخاری ۱۲ [ع] حضرت عامر بن الاکوع[رض] حضرت سلمہ بن الاکوع[رض] کے بھائی تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ چچا تھے، کما جاء مصرحًا فی صحیح مسلم، امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے نسبی رشتہ میں چچا ہوں اور رضاعی رشتہ سے بھائی ہوں، ۱۲

[ع] یہ ترجمہ "قلّ عربی مشابہا مثلہ" کا ہے، دوسری روایت یوں ہے "قل عربی مشی بہا مثلہ" اس کا ترجمہ یوں ہے کہ "ایسے عربی کم ہیں جو (اخلاق و اعمال میں) اس کی طرح چلے ہوں" ۱۲

فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا،

مَا اَبْقَیْنَا میں تین روایتیں اور ہیں، اول مَا لَقِیْنَا ، دوسرے مَا اقْتَفَیْنَا ، تیسرے مَا اتَّقَیْنَا، شارحین کرام نے سب کا مآل تقریباً ایک ہی بتایا ہے، جو ہم نے ترجمہ میں لکھ دیا ہے[له]،

اسی طرح اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا میں دوسری روایت اَتَیْنَا بھی ہے، جس کا ترجمہ یوں ہے کہ" بیشک جب ہم کو جنگ کرنے کے لئے اور حق کی حمایت کے لئے چیخ کر بلایا جائے تو ہم آجاتے ہیں"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام احمد کی روایت میں مذکورہ اشعار کے ساتھ کچھ زائد الفاظ بھی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْ قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ٭ اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَیْنَا

ترجمہ:۔ " بے شک اُن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، یہ لوگ جب فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے، اے اللہ ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں "

آخری مصراع صحیح مسلم میں بھی ہے،

حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو جاتے ہوئے رستہ میں جو اشعار پڑھتے تھے اُن کے بعض مصرعے نئے ہیں، اور اکثر وہ ہیں جو غزوۂ خندق کے بیان میں گذر چکے ہیں، وہاں عرض کیا گیا تھا کہ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں اور یہاں حضرت عامرؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں (باب غزوۂ خیبر) میں تحریر فرماتے ہیں کہ یَحْتَمِلُ اَنْ

[له] قوله ما اتقينا معناه ما تركنا من الاوامر وما ابقينا اى ما خلفنا وراءنا من الذنوب فلم نتب منه وما لقينا اى من وجدنا من المناهى وما اقتفينا اى تبعنا من الخطايا من قفوت الاثر اذا تبعته وهي اشهر الروايات فى هذا الرجز ۱۲ فتح البارى ،

يَكُوْنَ هُوَ وَعَامِر تَوَارَدَا عَلٰى مَا تَوَارَدَا مِنْهُ بِدَلِيْلِ مَا وَقَعَ لِكُلٍّ مِّنْهُمَا مِمَّا لَيْسَ عِنْدَ الْاٰخَرِ أَوِ اسْتَعَانَ عَامِر بِبَعْضٍ مَا سَبَقَهُ اِلَيْهِ اِبْنُ رَوَاحَةَ اھ ،

"یعنی ممکن ہے کہ دونوں کے ذہن میں بطور توارد مشترک اشعار آگئے ہوں، ایک نے دوسرے سے نہ لئے ہوں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک کے اشعار میں کچھ ایسی زیادتی ہے جو دوسرے کے اشعار میں نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہو کہ حضرت عامرؓ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعض مصرعے لے کر اپنے اشعار میں شامل کر لئے ہوں "

قتل وقتال اور محاصرہ کے بعد جب یہود کو شکست ہوگئی تو وہ جلا وطن ہونے پر راضی ہوگئے، اُن کی یہ بات اس شرط پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسلیم فرمائی کہ سونا چاندی اور ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ سواریوں پر لے جاسکتے ہوں لے جائیں، اور آپؐ نے یہ شرط بھی لگائی کہ (سونے چاندی میں سے) کچھ چھپائیں گے نہیں، اگر ایسی حرکت کی تو ہم پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری یا عہد کی پابندی نہیں ہوگی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی نضیر کو مدینہ منورہ سے (خیبر کی طرف) جلا وطن کیا تھا اس وقت حُیَیّ بن اخطب چمڑے کے ایک تھیلہ میں یہودیوں کا سونا چاندی اور زیورات لے کر روانہ ہوگیا تھا، یہ مال یہودیوں کے پاس محفوظ تھا، اور حُیَیّ غزوۂ خیبر سے پہلے مقتول ہو چکا تھا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سَعْیَہ نامی یہودی سے دریافت کیا کہ وہ حُیَیّ والا تھیلہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا اس کو تو لڑائیوں نے اور (طرح طرح کے) اخراجات نے ختم کر دیا، اس کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ تھیلہ (ایک جگہ پالیا) اور اس سے یہود کی بدعہدی ثابت ہوگئی، (کیونکہ یہ طے پایا تھا کہ کچھ پوشیدہ نہ کریں گے) لہٰذا آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کو قتل کر دیا، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا، اور ان لوگوں کو وہاں سے جلا وطن کرنے کا فیصلہ فرمالیا، اس پر وہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو یہیں رہنے دیں، ہم زمین میں محنت کریں گے اور پیداوار نصف آپ کی اور نصف ہماری ہوگی، اور جب تک آپ کی رائے ہو ہم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں[1]،

---

[1] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی حکم خیبر ۱۲

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات منظور فرمائی اور فرمایا نقرکم علیٰ ذٰلک ما شئنا، یعنی ہم تم کو مذکورہ معاملہ پر یہاں ٹھہرنے کا موقع دیتے ہیں، جب تک ہماری مرضی ہو، چنانچہ یہ لوگ وہاں ٹھہر گئے، زمین پر اُن کا مالکانہ تصرف نہ تھا، اور وہاں کی آمدنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی صواب دید سے خرچ فرماتے تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح انہی مصارف میں خرچ فرماتے رہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرماتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح خرچ فرماتے تھے، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا، اور یہ لوگ تیماء اور ریحا چلے گئے[1] (یہ دونوں جگہیں بلادِ طے کے قریب شام کی جانب ہیں)

خیبر میں جو یہودی آباد تھے ان میں قبیلۂ بنو نضیر بھی تھا، جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا تھا، ان لوگوں نے خیبر میں قیام کرکے اسلام کے خلاف برابر سازشیں جاری رکھیں، غزوۂ خندق کا باعث بھی یہی لوگ بنے، انھوں نے قریشِ مکہ وغیرہ کو جاکر ورغلایا کہ تم لوگ مدینہ پر چڑھائی کردو، اور بنو قریظہ کو بھی نقضِ عہد اور غدر پر آمادہ کرکے جنگِ احزاب میں قریشِ مکہ کا ساتھی بنا دیا تھا، اور اُن لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرکے اپنی طرف سے مدد کرنے کا بھرپور یقین دلایا تھا، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، دین اور مذہب کو تم زیادہ جانتے ہو، یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگ جس دین پر ہیں (یعنی بُت پرستی) یہ ہدایت والا دین ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ دین حق ہے، اس کے جواب میں یہود نے برملا کہا کہ تم صحیح راستہ پر ہو، حالانکہ اُن کو معلوم تھا کہ شرک بدترین چیز ہے، اور دل سے یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا:-

”کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو	اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

[1] صحیح بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ ۱۲۔

مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰؤُلَاءِ أَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا (سورۂ نساء؛ ۸)

کتاب کا ایک حصّہ ملا ہے، پھر (باوجود اس کے) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں، اور وہ لوگ (یعنی اہلِ کتاب) کفار (یعنی مشرکین) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی مشرکین) بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔"

درحقیقت ہٹ بہت بُری چیز ہے، یہودی جانتے تھے اور آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، لیکن مانتے نہیں تھے، دین سماوی کا علم ہونے کی وجہ سے یہود کو سب سے پہلے اسلام لانا چاہئے تھا، لیکن وہ اوّلین کافر ہوئے اور جانتے پہچانتے ہوئے حق کو چھپایا اور اسلام اور مسلمان کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے جو آج تک جاری ہیں، اخزاہم اللہ تعالیٰ،

اَلْحَرْبُ اَوَّلُ مَا تَكُونُ فَتِيَّةٌ (۳۹) تَسْعٰى بِزِيْنَتِهَا لِكُلِّ جَهُولِ

حَتّٰى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا (۴۰) وَلَّتْ عَجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلِ

شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ (۴۱) مَكْرُوهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ

ترجمہ (۳۹) "جنگ شروع حالت میں جو ہوتی ہے جوان عورت کی طرح ہوتی ہے، جو اپنے سنگھار کے سبب[1] ہر نادان کو (اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) کوشش کرتی ہے"،

(۴۰) "یہاں تک کہ جب اس کے شعلے بلند ہو جاتے ہیں اور خوب بھڑک اُٹھتی ہے تو بڑھیا بن کر منھ پھیر لیتی ہے، اس حال میں کہ کوئی اس کا شوہر نہیں ہوتا[2]"،

---

[1] یہ ترجمہ بزینتہا کا ہے، دوسری روایت میں ببزتہا ہے، جس کے معنے یہ ہیں کہ اپنے عمدہ لباس کے ذریعہ نادان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی سعی کرتی ہے، ۱۲،

[2] یہ ترجمہ حلیل (بالحاء) کاہے، دوسری روایت "غیر ذات خلیل" ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "اس حال میں منھ پھیر لیتی ہے کہ اس کا کوئی دوست نہیں ہوتا"،

(۴۱) "(اور اس حال میں مُنہ پھیر لیتی ہے) کہ اس کے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی آمیزش ہو چکی ہوتی ہے[۱]، اور اس کا رنگ ناپسند کیا جاتا ہے اور وہ اس حال میں بدل جاتی ہے کہ لوگوں کو اس کے سونگھنے اور چومنے سے گھِن آتی ہے"۔

(بخاری، ج ۲، ص ۱۰۵۱، باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر)

شرح بخاری شریف کے بعض نسخوں میں ہے کہ یہ اشعار عرب کے مشہور شاعر امرؤ القیس کندی کے ہیں، لیکن حضرات شراح کرام نے فرمایا ہے کہ یہ اشعار عمرو بن معدیکرب زبیدی نے کہے تھے، علامہ سہیلی اور مشہور نحوی ابوالعباس مبرد نے یقین کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے،

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوشب رحؒ سے نقل فرمایا ہے (جنھوں نے بعض صحابہؓ کو پایا اور اکابر تابعینؒ سے روایت بھی کی) کہ حضرات سلف (یعنی صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام) ان اشعار کو فتنہ سے بچنے کے لئے پڑھا کرتے تھے، اُس زمانہ میں بعضے فتنے ایسے اُٹھتے تھے جو جنگ کی صورت اختیار کر لیتے تھے، اور بعض حضرات کو یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا تھا کہ کس فریق کا ساتھ دیں، حق و ناحق بالکل واضح نہ ہونے کی وجہ سے وہ جنگ میں شریک ہونے سے گریز کرتے تھے، لیکن جوشیلے لوگ جنگ میں کود پڑتے تھے، کوئی اس فریق کے ساتھ ہو جاتا تھا اور کوئی دوسرے فریق کے ساتھ ہو جاتا تھا، محتاط حضرات ایسے موقع پر مذکورہ اشعار پڑھتے تھے جن میں جنگ کی تصویر کھینچی گئی ہے،

شاعر کہتا ہے کہ جنگ شروع شروع میں جوان عورت معلوم ہوتی ہے، اُس کے چاہنے والے اُس کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اور تن من کی بازی لگا دیتے ہیں، یہ اپنے حُسنِ ظاہر سے ہر نادان کو جال میں پھانس لیتی ہے، پھر جب جنگ کے بُرے نتائج ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں، اور جان و مال کی یہ بازی مہنگی پڑتی ہے، تو یہی جنگ بجائے جوان خوبصورت

---

[۱] یہ ترجمہ شَمْطَاءَ یُنکَرُ لَوْنُہَا کا ہے، بعض نسخوں میں اسکی جگہ جَزَّتْ رَأْسَہَا ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ اس کے سیاہ بالوں میں سفید بالوں کی آمیزش ہو چکی ہوتی ہے (اور او پر سے) بال بھی کاٹ لیتی ہے ۱۲

محبوبہ کے گویا ایک ایسی بڑھیا بن جاتی ہے کہ اس سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس کا کوئی شوہر یا آشنا نہیں ہوتا جو اسے چومے یا چاٹے۔ یہ جنگ ایسی بڑھیا بن جاتی ہے جس کے کالے بالوں میں سفید بال مخلوط ہو جائیں اور اوپر سے بال کٹوا کر منڈی بھی ہو جائے، اور اس کے منہ میں بھی بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے اس کے سونگھنے اور چومنے سے گھن آتی ہو۔

ان اشعار کے پڑھنے سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ خود اپنے نفس کو اور دیگر اصحاب واحباب کو فتنہ میں کودنے سے بچائیں۔ مقصد یہ نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے بچتے تھے، کیونکہ وہ تو عین ثواب ہے، اس میں تو کسی طرح کے دینی نقصان کا خطرہ ہی نہیں، مرے تو شہید اور مارا تو غازی، ہاں جہاں مسلمانوں میں آپس میں جنگ ہو اور حق و ناحق واضح نہ ہو وہاں جنگ میں کودنے سے پرہیز کرتے تھے۔

خاتمہ

الحمدللہ ثم الحمدللہ! صحیح بخاری میں وارد شدہ اشعار کا ترجمہ مع شرح ختم ہوگیا، اپنی دانست میں کوئی شعر نہیں چھوڑا، گو ممکن ہے کوئی شعر رہ گیا ہو، بندہ کو اپنے جہل اور مطالعہ کی کمی کا اقرار ہے، اگر کسی صاحب کو صحیح بخاری میں کوئی ایسا شعر نظر آجائے جو احقر کی فہرست میں آنے سے رہ گیا ہو تو مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ طباعت میں اُس کو بھی شامل کرلیا جائے،

آخر میں اتنی بات اور عرض کرنا ہے کہ جو اشعار اس مجموعہ میں گذرے ہیں ان میں سے اکثر تو وہ ہیں جو دوسرے حضرات نے کہے اور پڑھے، اور بعض اشعار ایسے بھی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے، یہاں پہنچ کر شراحِ حدیث یہ اشکال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے :-

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔	"اور ہم نے شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ آپؐ کے لئے شایاں بھی نہیں ،،

جب قرآن میں یہ ارشاد ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے شعر کیسے نکلے؟ پھر شارحینِ کرام نے اس کے تین جواب دیئے ہیں :-

اوّل یہ کہ جو اشعار آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلے وہ شعر نہیں ہیں، بلکہ رجز ہیں، لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا،

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اشعار دوسرے اشخاص کے ہیں کسی دوسرے شخص کا شعر پڑھ لینا مضمون آیت کے خلاف نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ شاعر ہونا اور چیز ہے اور ایک دو شعر اتفاقیہ طور پر بلاارادہ زبان سے نکل جانا دوسری بات ہے، اس سے کوئی آدمی شاعر نہیں بن جاتا، سب کو معلوم

ہے کہ قرآن مجید شعر نہیں ہے، پھر بھی اس میں جگہ جگہ عروضی اوزان کے مطابق آیات کے ٹکڑے موجود ہیں، جن میں کہیں پورا شعر اور کہیں نصف شعر بن جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کی بہت سی مثالیں ذکر کی ہیں، پس جس طرح قرآن مجید میں چند مواقع پر وزنِ عروضی کے مطابق کچھ الفاظ و کلمات موزون آگئے ہیں، اور پھر بھی قرآن شعر میں شامل نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک دو شعر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فصاحت نشان سے ایک دو شعر نکل گئے خواہ وہ اور کسی شاعر کے نہ ہوں، تو اس سے آپ کی ذاتِ گرامی پر شاعری کا دھبہ نہیں لگتا، اور یہ سورۂ یٰسٓ کی مذکورہ آیات کے خلاف نہیں ہوتا، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بہت پسند کیا ہے، اور درحقیقت یہ جواب ٹھیک بھی ہے،

مزید تشریح کے لئے عرض کرتا ہوں کہ شاعر ہونے کا مطلب صرف اتنا سا نہیں ہے کہ اوزان عروضی کے مطابق کسی شخص کی زبان سے اشعار نکلتے چلے جائیں، بلکہ شاعری جس چیز کا نام ہے۔ اُس میں وزن کے مطابق شعر ہونے کے ساتھ ساتھ بعض دیگر امور بھی لازم ہوتے ہیں، جس میں سب سے بڑی چیز جھوٹ ہی، اسی کو تو فرمایا ہے کہ

اکذب اُو احسن اوست

اس جھوٹ کو شاعر کی نازک خیالی اور دنیائے تخیلات کہا جاتا ہے، جب تک شاعر آسمان زمین کے قلابے نہ ملائے اور بے تکی تشبیہیں استعمال نہ کرے اُس وقت تک اس کو شاعر ہی نہیں سمجھا جا سکتا، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری سے دُور رکھا گیا، اگر کوئی بچی بات زبانِ مبارک سے وزنِ عروضی پر نکل گئی، تو اس سے آپؐ کا شاعر ہونا لازم نہیں آتا، جو اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھے حضرت نے اُن سب کے بارے میں غور کیا تو شروحِ حدیث میں یہ نکلا کہ یہ شعر فلاں کا ہے اور یہ شعر فلاں کا ہے، صرف ایک شعر ایسا ہے جس کے بارے میں یہ ماننا ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ آپؐ ہی کی زبانِ مبارک سے نکلا ہے، اور وہ یہ ہے ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ؛ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اگرچہ اس کے بارے میں بھی بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ بھی کسی دوسرے کا ہے، اس میں
"اَنْتَ النَّبِیُّ" کہا ہے، آپؐ نے اس کو بدل کر "اَنَا النَّبِیُّ" فرمادیا، لیکن یہ بات دل کو
نہیں لگتی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو بعید سمجھا،

خلاصہ یہ کہ ایک دو شعر کا بلا اختیار زبانِ مبارک سے نکل جانا جس میں شاعری
کا رنگ بالکل نہ ہو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر نہیں کہا جاسکتا،

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اِلَیْہِ الْمَرْجَعُ وَالْمَآبُ

وَھٰذَا اٰخِرُ مَا جَرٰی بِہِ الْقَلَمُ بِفَضْلِ بَارِئِ النَّسَمِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَ وَاَنْعَمَ، وَاَفْھَمَ
وَاَلْھَمَ وَعَلَّمَ، وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ
رُسُلِہٖ سَیِّدِ الْاُمَمِ
الْمَبْعُوْثِ بِجَوَامِعِ
الْکَلِمِ
وَمَنَابِعِ الْحِکَمِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ
اُوْلِی الطَّرِیْقِ الْاَمَمِ وَعَلٰی مَنْ
تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمٍ تَبْدُوْا
فِیْہِ النِّعَمُ وَتَظْھَرُ النِّقَمُ ۞

تمّت بالخیر

سیّد دلشاد حسین تحریر نمود

book no : 88

اظہارِ مسرت

یہ معلوم ہوکر بہت مسرت ہوئی کہ حضرت اقدس سراج العلماء مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ کا جو مجموعہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی جانب سے فتاویٰ خلیلیہ کے نام سے شائع ہوا تھا، وہ اب مکرم بندہ عالی جناب مولانا الحاج بھائی محمد یحییٰ صاحب کراچی ثم مدنی بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے جدید کتب خانہ "مکتبۃ الشیخ" سے شائع کر رہے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ بہت مبارک فرمائے، قبولیت اور مقبولیت عطا فرمائے۔ اہل علم اور ارباب فقہ و فتاویٰ کے لیے مفید و نافع بنائے۔

محمد شاہد عفی عنہ

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

ترتیب و تبویب

مفتی مولانا سید محمد خالد صاحب سہارنپوری